مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ _____ لاھور

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 بی گلبرگ- 2 لاہور 54660

ٹیلی فون : 876219

فیکس : 42-876219

انتظامیہ ادارہ طلوع اسلام

چیئرمین :- بریگیڈئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین احمد خاں

ناظم :- محمد لطیف چوہدری

مدیر مسئول :- محمد لطیف چوہدری

مجلس ادارت :- میجر محمد یوسف ڈار- محمد عمر دراز

ناشر :- عطاء الرحمٰن ارائیں

طابع :- خالد منصور نسیم

مطبع :- النور پرنٹرز و پبلشرز

3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور- 54500

مقام اشاعت :- B-25 گلبرگ 2 - لاہور- 54500

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
فکر پرویزؒ کی اصل قدر و قیمت (2)	ابو منیب راشد	5
خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے؟	عرفان الرحمن	25
غیر مذہبی باتیں	منظور احمد (ناروے)	42
عورت قرآن کے آئینے میں	علامہ غلام احمد پرویزؒ	49
بچوں کی تربیت و تعلیم	محترمہ سکندرہ	61
تقریب جشن نزول قرآن	ادارہ	72
خواب ان کے	علی محمد چدھڑ	74
Lord	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	78
Salat	محمد لطیف چوہدری	80

جلد 48 | شمارہ 4 | اپریل 1995ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے | اندرون ملک سالانہ 120 روپے | بیرون ملک : 18 امریکی ڈالر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہماری مشکلات اور قرآن حکیم

آج وطن عزیز پاکستان جس بحرانی دور سے گزر رہا ہے۔ قیادتی ٹکراؤ، طبقاتی تصادم اور مفاداتی نظام حکومت و سیاست نے اہالیان پاکستان کو جس تلخ و تند صورت احوال سے دوچار کر دیا ہے۔ اس سے ہر قلب حساس وقف اضطراب ہے۔ کراچی کو جس طرح دن بدن بیروت بنایا جا رہا ہے۔ وہاں پر جس طرح انسانی خون بہایا جا رہا ہے۔ مجرموں اور دہشت گردوں نے جس طرح وہاں پر جرائم کے مرتکب ہونے کے باوجود قانون و تعزیر کے زد میں آنے سے اپنے آپکو محفوظ بنا رکھا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ جس پر سوچ بچار کرنے سے بھی انسان وحشت محسوس کرنے لگتا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اسے بیرونی قوتوں کا کیا دھرا قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بیرونی قوتیں قیام پاکستان کی ابتدائی جدوجہد سے لیکر اس کے قیام و استحکام کی ہر گھڑی میں حارج و مزاحم رہیں ہیں انہوں نے کبھی پاکستان کو دلی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہم نے اپنے دشمنوں کے مالی وسائل کی بہتات اور ان کے معاندانہ رویوں اور مزاحمتوں، ان کے ایسے قائدین کے علی الرغم کہ جنہیں وہ مہاتما قرار دیتے تھے۔ قیام پاکستان کی جنگ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت اور مسلم لیگ کی تنظیم کے زیر سایہ چل کر جیت لی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے یہ پاکستان اتنا وسیع و عریض نہ تھا جتنا کہ اسے قرار داد پاکستان کے تحت ہونا چاہئے تھا تاہم پھر بھی یہ عالم اسلامی کی سب سے بڑی مسلم ریاست ہونے کا طرہ امتیاز رکھتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ہم نے معاندانہ قوتوں کے مادی وسائل اور ان کی بہترین قیادت کے باوجود انہیں ناکام کر کے پاکستان جیسے بظاہر ناممکن العمل خواب کو ایک زندہ حقیقت کیسے بنا دیا۔ جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس وقت مسلمانان پاک و ہند نے قیادت قائداعظمؒ پر اتفاق کر کے ان کی اطاعت و تعمیل کو اپنا پیش بنیاد ٹھہرا لیا تھا۔ سیاسی تفرقہ اور مذہبی تشتت سے بالا ہو کر شیعہ اور سنت کے تضاد و تخالف سے صرف نظر کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اپنے آپ کو متحد کر لیا تھا۔ ایمان و یقین۔ اتحاد و نظم و ضبط اور اطاعت امیر کے اقبال و عروج آور اصولوں کو اپنا کر ہم نے قیام پاکستان کی منزل کو سر کر لیا تھا۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے۔ سیاسی تفرقہ زوروں پر ہے۔ مذہبی اختلاف عذاب بنا ہوا ہے۔ مذہبی معابد کا تقدس پامال کیا

جا رہا ہے۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی جان۔ مال اور آبرو پر کھلے عام ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔

یہ وہی صورت احوال ہے کہ جس کے بارے میں ہمیں قبل از وقت آگاہی عطا فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

''اس (اللہ تعالیٰ) کے ہاں اس امر کا بھی امکان ہے کہ وہ تمہارے لئے اوپر سے عذاب بھیج دے۔ یا تمہارے قدموں کے نیچے سے عذاب لے آئے۔ یا وہ تمہیں گروہوں اور پارٹیوں میں گتھم گتھا پائے کہ تم یک دوسرے کو اپنی جنگی قوت کا مزہ چکھانے لگو''۔ 6/65 آج بعینہ یہی صورت احوال ہے۔ اوپر کا حکمران ٹولہ اور اس کے حمایتی طبقات محکوم و زیر دست طبقات کے لئے وجہ اضطراب بنے ہوئے ہیں پھر انتقامی سیاست پر چل کر ماتحت اور زیر دست طبقات نے اپنی پارٹیاں بنا کر وڈیروں سے انتقام لینے کے لئے جلاؤ و گھیراؤ کی پالیسیاں اختیار کر لی ہیں۔ پر ان سب پر مستزاد یہ کہ مذہبی دائرے سے تحمل و رواداری کا خاتمہ ہو جانے کی وجہ سے ہر مذہبی فرقے نے مسلح تنظیم کی شکل اختیار کر کے اپنے سے مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے افراد اور فرقوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی پالیسی کو جزو ایمان بنا لیا ہے۔ وہ قوت و طاقت جس کا رخ ہمارے دشمنوں کی طرف ہونا چاہئے تھا۔ اس کا رخ اور نشانہ اب ہم اپنے بھائی بندوں کو بنا چکے ہیں۔ قرآن حکیم اس مقام پر یوں ارشاد فرماتا ہے کہ کَذَّبَ بِہٖ قَوۡمُکَ وَ ھُوَ الۡحَقُّ 6/66 کہ آپ کی قوم اس حقانی امر کی تکذیب کر رہی ہے جبکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ وہ لوگ جس کا انکار کرتے تھے یہ تھی کہ کسی قوم کے اندر فرقوں یا گروہوں کا پایا جانا عذاب کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس طرح کے تنوع سے قوم کے حسن و جمال میں اور زیادہ رنگینی پیدا ہو جاتی ہے بالکل یہی حال ہمارا ہے کہ ہم نے اختلاف و تفرقہ کو اپنے لئے رحمت ٹھہرا رکھا ہے۔ پس جب تک ہم دوبارہ پاکستان کا مقصد کیا؟ لا الہ الا اللہ کی طرف نہیں لوٹیں گے اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت سے مراد اس کی ہمہ گیر حاکمیت بمعہ اس کی حاکمیت تشریع کے اسے تسلیم نہیں کریں گے اور اس حاکمیت تشریع کی مظہر اتم کتاب اللہ کو اپنا امام و راہنما نہیں ٹھہرائیں گے اس وقت تک اس موجود ہمہ گیر معاشی و معاشرتی عذاب سے نجات نہیں پائیں گے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اللہ تعالیٰ کے آخری کامل و مکمل کلام کو اپنے ہاں نافذ کرنے میں پنہاں ہے اور نفاذ کلام اللہ کا فریضہ ہم سے عبودیت اور ربوبیت عالمینی کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب تک ہم" ایاک نعبد وایاک نستعین" کو اپنا عملی نصب العین نہیں بنائیں گے اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام و حدود کے ماتحت نہیں کریں گے اور جب تک ہمارے ہاں کے تمام مادی و معنوی وسائل پیداوار پر نظام ربوبیت عالمینی کے نصب العینی تقاضے کی حکمرانی قائم نہیں ہو گی اس وقت تک کسی بھی حیلے یا تدبیر سے ہمارے معاشی و معاشرتی روگ یا آزار ختم

نہیں ہو سکتے ہیں۔ ادارۂ طلوع اسلام اوّل روز سے پاکستان کو ایسی قرآنی مملکت میں ڈھالنے کا داعی رہا ہے جہاں فرقوں کی بجائے امت واحدہ کو فوقیت حاصل ہو۔ جہاں فرقہ وارانہ فقہوں کو نہیں حکمتِ قرآنیہ کو بالا دستی حاصل ہو جہاں پر میری اور تیری کی تفریق و تقسیم پر مبنی معاشی و معاشرتی نظام کی بجائے ربوبیتِ عالمینی کے اس نظام کا غلبہ ہو جو انسانی ذات کی مادی و معنوی نشوونما اور معاشرے کو خوف و حزن سے پاک کرنے کا ضامن ہے۔

یاد رہے کہ طلوع اسلام کے نزدیک نوع انسانی کے تمام مسائل کا واحد حل اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام و اقدار کو اپنانے میں پوشیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کسی بھی مشین ساز کی مشین کو جب تک اس کی ٹھہرائی ہوئی ہدایات کے مطابق نہ چلایا جائے' اس وقت تک اس مشین کی کارکردگی تو بہتر کجا بلکہ الٹا اس کا اپنا وجود ہی محل خطر رہا کرتا ہے۔ طلوع اسلام کا موقف بھی یہی ہے کہ نوع انسانی کے پاس انفرادی یا اجتماعی حوالے سے جو کچھ بھی کل پرزے اور وسائل و ذرائع موجود ہیں۔ جب تک انہیں ان کے مالک و خالق کی ہدایات کے ماتحت نہیں چلایا جائے گا۔ اس وقت تک نہ تو انسانی ذات اپنے اندر کی عدلوت اور عناد سے نجات پا سکتی ہے اور نہ ہی معاشرتی سطح پر جو ٹکراؤ و تصادم کا ماحول ہے اسے ہی امن و سلامتی کے ماحول میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ پس اہالیانِ پاکستان کا بالعموم اور وابستگانِ کلام اللہ کا بالخصوص فریضہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کلام اللہ کے غلبہ و نفاذ کے لئے وقف کر دیں۔ اپنے اپنے دائرہ کار میں جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہو ہم اقدارِ وحیٔ قرآن کے فروغ و اشاعت کے لئے دن رات مصروفِ جدوجہد رہیں۔ اس محشر کی گھڑی میں وابستگانِ تحریک طلوع اسلام کا فریضہ ہے کہ ہم اپنے مشن کے ساتھ اپنی وابستگی کو پہچانیں اور اس عظیم مشن کے حوالے سے ہم پر جو عظیم تر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے عہدہ برا ہونے کا اپنے آپ سے عہد کریں۔ پھر اس عہد سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے رفقاء سفر کو اپنے ساتھ شامل کر کے اس قافلہ قرآنی کی حدی خوانی کا فریضہ انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عنائت فرمائے۔ آمین

ضرورت رشتہ

ایم اے پاس دوشیزہ عمر 25 سال کے لئے قرآنی فکر سے وابستہ بلا امتیاز ذات پات موزوں زوج کی تلاش ہے۔ رابطہ معرفت ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(دوسری قسط)

ابو منیب راشد

فکر پرویزؒ کی اصل قدر و قیمت (2)

بجواب

پرویزؒ صاحب کی اصل غلطی

جنات سلیمانؑ اور قرآن حکیم

قارئین کرام کو یاد ہو گا۔ کہ گذشتہ قسط میں ہم نے جو طویل اقتباس پیش کیا تھا کہ جس میں ہمارے فاضل مقالہ نگار نے علامہ پرویزؒ صاحب کی اصل غلطی کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں اس نے علامہ صاحب کے قرآن فہمی کے اصولوں کو ان کی اصل گمراہی کا سبب قرار دیتے ہوئے' اس کے نتیجہ میں ان کے انکار حدیث' انکار معجزات و انکار جنات کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ دیکھئے ماہنامہ اشراق شمارہ ستمبر 90ء صفحہ نمبر 90 لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ پرویزؒ صاحب کے قرآن فہمی کے اصولوں پر گفتگو کرنے سے قبل ذرا ان مذکورۃ الصدر عنوانات پر گفتگو ہو جائے۔ اگرچہ مقالہ نگار نے جس ترتیب سے "منکرات پرویزؒ" کا ذکر کیا ہے۔ اس ترتیب کی رو سے تو ہمیں اس قسط کا آغاز انکار حدیث سے کرنا چاہئے تھا۔ لیکن انکار و اقرار حدیث کا موضوع چونکہ ایک مستقل بالذات موضوع ہے۔ اور اس حوالے سے جناب پرویزؒ صاحب کو جس حد تک بدنام کیا جا رہا ہے اس کی نہ تو کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہا۔ اس ضمن میں پرویزؒ صاحب کو مورد الزام ٹھہرانے والوں کے پاس کوئی اخلاقی اصول یا مستقل معیار ہے ہی نہیں۔ ان کے فکر و نظر کے تضاد کا یہ عالم ہے۔ کہ یہ لوگ علامہ محمد اقبالؒ کو تو اپنا امام و راہنما مانتے ہیں۔ انہیں اپنے فکری منابع اور ایمانی ماں باپ میں شمار کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ لیکن جب علامہ اقبالؒ کے موقف حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ تو اسے بڑی تعلی اور پائے استحقار سے رد کر کے اپنے اس جادۂ تقلید پر کاربند رہتے ہوئے اندھوں اور بہروں کی طرح ظن و تخمین کی وادیوں میں سرگرداں رہنے پر اصرار کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا اس موضوع کے حوالے سے ہم چاہتے ہیں۔ کہ اس پر ذرا مفصل گفتگو ہو تاکہ اس طرح انکار حدیث کے اس غبارے سے وہ

تمام ہوا نکال دی جائے' کہ جس کی وجہ سے یہ بڑا پھولا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ اس حوالے سے ان اسباب و عوامل اور رجال و اشخاص کا بھی فکری و نظریاتی حوالے سے سخت محاسبہ کرنا چاہئے۔ کہ جو اپنی مقبولیتِ عوام کی مسندوں کو تا ابد قائم و دائم رکھنے کیلئے اپنے نتھنوں کو پھلا پھلا کر اس غبارے میں ہوا بھرنے میں مصروف ہیں۔ اس حوالے سے ہم کتاب اللہ کی آیات محکمات سے استمداد و استدلال ہی نہیں کریں گے۔ بلکہ امام شافعی کے رسالہ کتاب الام سے لیکر شاہؒ ولی اللہ کی الفوز الکبیر اور حجت اللہ البالغہ تک کے حوالہ جات بھی پیش کریں گے۔ پھر دور حاضر میں علامہ شبلی۔ علامہ حمید الدین فراہی۔ علامہ عبیداللہ سندھی۔ اور آخر میں حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے خطبات مدراس سے اقتباسات پیش کر کے ثابت کریں گے۔ کہ علامہ پرویزؒ صاحب کا موقف درباره حدیث و روایت وہی ہے۔ جو بقول علامہ محمد اقبالؒ۔ امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ کہ جن کی جانب فقہ حنفی اور اہل احناف منسوب ہیں۔ لہٰذا اگر انصاف پسندی کوئی اصول ہے تو ہم ان ناقدان پرویزؒ سے التماس کریں گے کہ یا تو وہ علامہ محمد اقبالؒ کو بھی منکرین حدیث میں شمار کریں' کیونکہ ان کے موقف حدیث اور علامہ پرویزؒ کے موقف حدیث میں سرِ مو فرق نہیں ہے' اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو کم از کم انہیں اپنے تضاد فکر و نظر پر کچھ تو ندامت محسوس کرنی چاہئے۔

اسی چیز کے پیش نظر ہم انکار حدیث اور انکار معجزات سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنے کی بجائے جناتِ سلیمانؑ اور قرآنِ حکیم کے عنوان سے آج کی گفتگو کا آغاز کر رہے ہیں۔ جناتِ سلیمانؑ کے عنوان پر گفتگو کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنات کے بارے میں قرآنِ حکیم نے اصولی حوالے سے جو ہماری راہنمائی کی ہے۔ اس پر تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔

جنات اور قرآنِ حکیم بلاشبہ الجان کے بارے میں قرآن حکیم کا اعلان ہے۔ کہ انہیں نارالسموم (زہریلی آگ) سے پیدا کیا گیا تھا 15/27 لیکن ان کی یہ پیدائش انسان کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی 15/27 یقیناً اللہ تعالیٰ نے الجان کو نارالسموم سے انسانوں سے قبل پیدا کیا اور ہمارا اس حقیقت پر مومن بالقرآن ہونے کے ناطے سے مکمل طور پر ایمان ہے۔ لیکن ہمارا موضوع یا زیر بحث مسئلہ یہ نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ وہ جنات جن کا سیدنا سلیمانؑ کے حوالے سے قرآن حکیم میں ذکر پایا جاتا ہے 27/17 - 34/12-13 اور وہ جنات کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے 46/29 - 72/1-2 کیا وہ یہی ناری الخلقت' نار السموم سے پیدا ہونے والے جنات تھے؟

پرویزؒ صاحب کا موقف ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ جنات انسان ہی تھے۔ لیکن انہیں ان کے قوی الجثہ اور طویل القامت ہونے کی وجہ سے جنات کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے جنات تھے۔ کہ وہ کسی ایک

مستقل طور پر آباد نہ تھے۔ یہ وہ صحرائی یا پہاڑی قبائل تھے کہ جو میدانی علاقوں میں مقیم انسانوں کے پاس کبھی آتے اور کبھی غائب ہو جاتے تھے۔ پس انہیں اس حوالے سے کہ وہ کبھی نظر آتے اور کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے جنات کہا جاتا تھا۔ کیونکہ عربی زبان کی رو سے اور خود محاورہ قرآن کے حوالے سے بھی لفظ جنّ کا یہ وہ بنیادی مفہوم ہے۔ کہ جس کا کوئی صاحب بصیرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً 53/32 میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اجنۃ قرار دیا ہے۔ جو کہ جنین کی جمع ہے۔ اور جس کا معنی ہے پوشیدہ رہنے والا۔ چھپا ہوا۔ نظر نہ آنے والا۔ چونکہ ہر بچہ اپنی پیدائش سے قبل اپنی ماں کے پیٹ میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر جنین یعنی پوشیدہ رہنے والا قرار دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے 58/16 میں ڈھال کو جنہ قرار دیا ہے' کہ وہ انسان کے سر کو چھپا لیتی ہے۔ اسی طرح الجنۃ اس زمین یا باغ کو کہا جاتا ہے۔ کہ جسے سائے یا گھاس پھوس نے ڈھانپ رکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح دیوانے انسان کیلئے عربی زبان اور خود قرآن پاک کے محاورہ میں مجنون کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ 'جنّ' کا بنیادی و ابتدائی مفہوم پوشیدہ رہنا یا نظروں سے اوجھل ہونا ہے۔ اب اس کا اطلاق کس کس پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ ہمارا تدبر فی القرآن ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ کہ انسانوں کی پیدائش سے قبل اس کائنات میں ایک آتشیں مزاج مخلوق موجود تھی۔ جو کہ اس وقت کے آتشیں ماحول کے ساتھ کلی طور پر موافقت رکھتی تھی۔ لیکن جب خارجی ماحول میں وہ حدت و حرارت نہ رہی بلکہ اس کی جگہ سکون و برودت نے لے لی۔ تو وہ مخلوق ماحول کے ساتھ عدم موافقت کی وجہ سے یا تو بالکل ہی ختم ہو گئی۔ یا کسی ایسے کرہ میں جا کر آباد ہو گئی کہ جہاں کا ماحول اس کے مزاج سے موافقت رکھتا تھا۔ لیکن اس آتشیں مزاج مخلوق کا انسان اور انسانی دنیا سے قطعاً" کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی الجن والانس کے الفاظ آئے ہیں وہاں پر الجن سے مراد انسان ہی ہیں۔ جو قوی الجثہ اور طویل القامت ہوں۔ جنہوں نے ابھی تک صحیح طور پر تہذیب و تمدنِ انسانی کی دہلیز پر مکمل طور پر قدم نہ رکھا ہو۔ اسی حوالے سے وہ الجن جو سیدنا سلیمانؑ کے لشکروں میں شامل تھے۔ اور جو محمدؐ رسول اللہ پر ایمان لائے تھے۔ یہ سب کے سب انسان ہی تھے۔ ان میں سے کوئی بھی آتشیں مزاج جن نہ تھا۔ آیئے اس ضمن میں ہم اپنے موقف کے حق میں قرآنی شہادات کو ہلکے پھلکے انداز میں بیان کر دیں۔ ہو سکتا ہے ہمارا ندیم بھی ان پر غور و تدبر کر کے ہمارے ساتھ ہمنوا بن جائے۔ یاد رہے کہ جنات کے موضوع پر جب ہم تدبر فی القرآن کے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔ تو یہ موضوع ہمیں تین حوالوں سے قرآنِ حکیم میں نظر آتا ہے۔

1۔ جنات کا عمومی بیان کہ جس میں عام جنات کا تذکرہ ہے۔ اور ان کے حوالے سے کچھ ایسی اصولی

بھی انسان ہی تھے' نہ کہ کوئی غیر مرئی مخلوق۔

جنات محمدؐ اب آیئے ان جنات کے بارے میں تھوڑی دیر غور و خوض کریں۔ جن کا ذکر محمد رسولؐ اللہ کے حوالے سے قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے۔ یہ بیان قرآن حکیم کے دو مقامات یعنی سورۃ الاحقاف اور سورۃ الجن میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ سورۃ الجن ایک مستقل بالذات سورت ہے۔ اور اس پر گفتگو کرنا ایک مستقل نشست کا طالب ہے۔ لہٰذا فی الحال ہم اپنی گفتگو کو صرف سورۃ الاحقاف کے حقائق و معارف تک محدود رکھیں گے۔ اس ارشادِ الٰہی 46/29 سے یہ امور ثابت ہوتے ہیں۔

1- یہ جنات عربی زبان جانتے تھے۔ کیونکہ جونہی قرآن حکیم کے الفاظ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو خاموشی کے ساتھ اسے سننے کا مشورہ دیا۔

2- جب وہ قرآنی مجلس میں حاضر ہوئے تو نہایت باادب طریقے سے وہ قرآنی حقائق و معارف کو سنتے رہے۔ انہوں نے اس سماعت کے دوران کسی ردّ و کد یا شور و غل کا کوئی مظاہرہ نہ کیا۔ کیونکہ اگر ان کی طرف سے ایسی کسی حرکت کا ارتکاب ہوا ہوتا۔ تو قرآن حکیم میں اس کی جانب کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور پایا جاتا۔

3- وہ قرآنی مجلس سے جب نکلے۔ تو وہ نہ صرف اس پر ایمان لا چکے تھے۔ بلکہ ان میں یہ داعیہ بھی بیدار ہو چکا تھا۔ کہ وہ قرآن حکیم کے حوالے سے عائد ہونے والے فریضۂ انذار کو بھی انجام دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم میں نہایت بھرپور طریقے سے یہ فریضہ انجام دیا۔

4- انہوں نے اپنی قوم کے سامنے کتاب موسیٰ کا حوالہ دیا اور کتاب موسیٰ کے توسط سے انہوں نے اپنی قوم کو قرآنِ مجید اور رسول اکرمؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ان نکات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی۔ کہ وہ یہودی علماء تھے۔ جن کی مکی سوسائٹی یا اس مکی ماحول و اطراف میں کبھی کبھار آمدورفت ہوتی رہتی تھی۔ اسی نسبت سے قرآن حکیم میں ان پر الجن کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے۔

5- یہ الجن علماء بنی اسرائیل تھے۔ کتاب موسیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ سیدنا موسیٰ صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ آپ کی رسالت یا نبوت کا دائرہ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ جنات جو محمد رسول اللہؐ پر ایمان لائے کوئی غیر مرئی۔ ناری الخلقت مخلوق نہ تھے۔ بلکہ یہ آلِ یعقوب کے افراد تھے۔ اور بس اور چونکہ 72/1-2 میں انہی کے اقوال کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لہٰذا سورۃ الجن میں مذکورہ جنات بھی علماء اہل کتاب ہی ہیں۔ خواہ ان کا تعلق یہود سے ہو یا نصاریٰ سے۔

اب دیکھئے یہ الجن مکی دور میں مومن ہوئے۔ اور مکی دور میں رسول اکرمؐ اور آپ کے اصحاب پر جو

سب ڈھائے گئے' ان کے بیان سے قرآن حکیم بھرا پڑا ہے۔ اب سوچئے۔ ان جنات کے مومن ہو جانے کے بعد ان پر دوسرے اہل ایمان کے حوالے سے جو نصرت و امداد از روئے قرآن واجب ہو چکی تھی 8/72 اس سے عہدہ برآ ہونے کیلئے انہوں نے کوئی ادنیٰ ترین مدد کی؟۔ پھر سوچئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور صحابہ کرامؓ کے حوالے سے ملائکہ کی نصرت کا اپنے کلام میں ذکر کیا ہے 3/151=8/9-12 تو اگر یہ الجنات بھی کسی نصرت و امداد کے حوالے سے آئے ہوتے۔ تو قرآن حکیم میں لازماً اس کا ذکر کیا جاتا۔ پھر سوچئے۔ جب نبی اکرمؐ اپنے رفیق خاص کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے 9/40 اس دوران آپ کو جن کٹھن مراحل سے گزر کر اور جن پریشان کن حالات کو عبور کر کے آپ کے لئے مدینہ میں پہنچنا ممکن ہوا اور اس میں جس قدر وقت لگا۔ اور انصار مدینہ کو دن رات جو ایک لمبی مدت تک زحمت انتظار سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ تو اگر ایک بھی ایسا جن مومن ہوا ہوتا تو وہ آپ کو اپنی پشت پر سوار کر کے آنِ واحد میں مکہ سے مدینہ پہنچا دیتا۔ اس طرح نہ آپ کو راستے کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ اور نہ ہی انصارِ مدینہ کو زحمت انتظار میں مبتلا رہنا پڑتا۔ اسی طرح غزوۂ اُحد و حُنین کے دوران اگر کوئی ایسا مومن جن مددگار بن کر کھڑا ہو جاتا۔ تو اس طرح اہل ایمان جن پسپائیوں میں مبتلا ہوئے اور جن کٹھنائیوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔ اس صورت میں یقیناً اس ناخوشگوار صورت احوال سے اہلِ ایمان بالکل دوچار نہ ہوتے۔

برادران عزیز! قرآنی بیانات سے یہ بات آپ کے علم میں آچکی ہے۔ کہ جنات نبی اکرمؐ پر ایمان لائے 72/1-2=46/29 اور وہ قرآنِ حکیم کے مبلغ بنے اور انہوں نے قرآنِ حکیم حوالے سے فریضۂ انذار نہایت ہمت و جوانمردی سے انجام دیا۔ 46/30-31 اس سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ جنات انسان اور بشر ہی تھے۔ یہ کوئی غیر مرئی ناری الخلقت نہ تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ نبی یا رسول کی بعثت کا ایک مقصد یہ ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے عمل اور اتباعِ وحی سے اس حقیقت کو مبرھن کیا کرتا ہے۔ کہ وحی کا نفاذ اور اس کا معاشرتی حقیقت میں تبدیل کیا جانا اور اس کے مطابق فرد کی تربیتِ ذات کرنا اور اس کے مطابق معاشرتی انقلاب برپا کرنا بالکل ممکن ہے۔ گویا نبی اپنے اسوۂ حسنہ سے کتاب اللہ کے نفاذ کے ممکن العمل ہونے کے پہلوؤں کو دو اور دوچار کی طرح ثابت کر دکھاتا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے انسان کلام اللہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور وحی کی اللہ کے مطابق انقلاب برپا کرنے کے حوالے سے کوئی عذر یا حجت پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نبی نے بھی بشر ہونے کے اگر کلام اللہ کو ایک زندہ معاشرتی حقیقت میں تبدیل کر دیا ہے۔ تو دوسرے اہل ایمان

انسان بھی ایسا کر سکتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر قرآنِ حکیم میں آپ کی بشریت ہی کو بیان نہیں کیا 18/110=41/6 بلکہ دوسرے انبیاء کی بشریت کو بھی بڑے شد و مد سے بیان فرمایا ہے 14/10=6/64=17/95 اس سے ہم جس اصول یا الٰہی ضابطے کی جانب اپنے محترم قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں- وہ یہ ہے کہ مرسل (جسے رسول بنایا جائے) اور مرسل الیہ (جس کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے) ان دونوں کی جنس یا نوع یا ان کے جنسی و نوعی تقاضے ایک ہوا کرتے ہیں- اس حوالے سے اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں یوں ارشاد فرماتے ہیں- اگر زمین پر فرشتے ہوتے- اور وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اس زمین پر رہتے- تو ہم ان کیلئے آسمان سے فرشتہ رسول ہی برپا کرتے 17/95 گویا فرشتوں کا رسول فرشتہ ہو گا- [illegible] گا- گویا کوئی رسول بشر کسی ایسی مخلوق کیلئے فریضہ رسالت انجام نہیں دے سکتا [illegible] کی جنس اور نوع سے الگ ہو- پس اگر کوئی غیر مرئی ناری [illegible] رسول نہیں بنایا جا سکتا- اس کے لئے لازم ہو گا کہ اس طرح کسی غیر مرئی ناری الخلقت جن ہی کو ان کیلئے بطور رسول مبعوث کیا جائے- اب یہ بات تو کتاب اللہ کے الفاظ سے دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو چکی ہے- کہ جنات محمدؐ رسول اللہ پر ایمان لائے 46/29 اور یہ کہ محمدؐ رسول اللہ بشر تھے 18/110 وہ کسی حوالے سے جن نہ تھے- پس اس صغریٰ و کبریٰ کو ملانے سے اس کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ مومن بالقرآن اور مومن بامحمدؐ جنات انسان تھے اور بس-

سلیمانی جنات

گزشتہ صفحات میں جن امور کی وضاحت کی جا چکی ہے- ان پر اگر ہماری نظر مرتکز رہے تو سلیمانی جنات کو سمجھ لینا اور ان کی جنس اور نوع کے بارے میں فیصلہ کر لینا کچھ مشکل نہیں رہتا- یہ تو ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے- کہ حضرت سلیمانؑ بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں میں سے ایک رسول و نبی تھے- اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسل کیلئے ایک ہی ضابطہ یا طریق کار تھا- پس اگر 17/95 کی رو سے مرسل اور مرسل الیہ کے مابین نوعی اتحاد کا پایا جانا لازم ہے- تو سلیمانؑ اور ان کے جنات کے مابین جنسی مغائرت کو تسلیم کرنا قرآنی اصولوں کی نفی کرنے کے مترادف ہے- اب جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے- کہ سیدنا سلیمانؑ کے حوالے سے جن جنات کے ان کیلئے مسخر کئے جانے کا قرآن حکیم میں مذکور ہے 27/17-34/13 ان کی دراصل قرآن کی بیان کردہ نوع یا جنس کیا ہے- تو اس کا جواب از روئے کتاب اللہ یہی ہے کہ وہ سیدنا سلیمانؑ کی طرح انسان اور بشر ہی تھے- وہ کوئی غیر مرئی یا ناری الخلقت مخلوق نہ تھے- یہ دراصل پہاڑی اقوام

... کے دیو قامت معمار، مزدور غواص- تجار وغیرہ تھے- ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو اپنے ملک سے ... حکمرانوں کی اجازت لیکر سلیمانی مملکت میں آتے تھے- اپنی اغراض پوری کر کے واپس چلے جاتے تھے اب ... نے اس عبارت میں ان سلیمانی جنات کے بارے میں جو جو دعوے کئے ہیں- ان کے بارے میں قرآنی ... پر غور فرمائیں-

ہم نے کہا ہے کہ یہ پہاڑی علاقوں کے لوگ تھے جو مختلف اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے سیدنا ...ؑ کے ماتحت کام کیا کرتے تھے- یہ پہاڑی لوگ سیدنا سلیمانؑ کو اپنے جلیل القدر باپ سیدنا داؤد سے ... ہوئے تھے- کیونکہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے- کہ ...نَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ 21/79 اور ہم نے پہاڑوں کو (پہاڑی لوگوں کو) جناب داؤد کی ...مت میں لگا دیا- اور نیز تیز رفتار گھوڑوں کے دستوں کو بھی ان کی خدمت میں لگا دیا- یہ سب اپنے ...ض و واجبات کی ادائیگی کیلئے اپنے زور دروں کی بنیاد پر مصروف تگ و تاز رہا کرتے تھے- ہم نے یہاں پر ...ل کا ترجمہ اہل الجبال یعنی پہاڑی لوگ کیا ہے- جبکہ روائتی ترجمہ یوں ہے- کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ... سیدنا داؤد کے ماتحت کر دیا- اور پہاڑوں کی تسبیح سے اہل روایات یہ مراد لیتے ہیں کہ جب سیدنا داؤد ... حمد گاتے تو کوہ و دمن اس سے جھومنے لگتے تھے- اصل بات یہ ہے کہ ملوکیت کے غیر پیداواری نظام ...مت کے ماتحت بادشاہوں کے حضور میں خوشامدانہ مدحیہ قصیدہ خانی کو بے پناہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور ... ملوکیت کی یہ ذہنیت مذہبی اذہان میں بالخصوص اس حد تک راسخ ہو چکی ہے کہ جس کا ختم ہونا بظاہر خاصا ...کل دکھائی دیتا ہے- دیکھئے اللہ رب العزت کی ذات تو احکم الحاکمین ہے 95/8 کوئی ادنیٰ ترین حاکم خواہ وہ ... تحصیل کا تحصیلدار یا نائب تحصیلدار ہی کیوں نہ ہو وہ اس امر سے ہرگز راضی نہیں ہو گا- کہ صبح و شام ... کے حضور میں اس کو راضی کرنے کیلئے زبانی کلامی تعریف کے پل باندھے جائیں- لیکن اس نے اپنے ... انتظام رہنے والی رعیت پر فرائض و واجبات کی تعمیل یا ادائیگی کا جو فریضہ عائد کیا ہے- اس کی جانب سے ...فلت برتی جائے- یا اس فریضہ سے عہدہ برا ہونے کے دوران کوتاہی یا کسلمندی سے کام لیا جائے- پس ...نا داؤد کے ساتھ اہل جبال کی تسبیح یہ تھی کہ وہ نظام الٰہی کے نفاذ اور ربوبیت عالمینی کے قیام کے حوالے ... اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض و واجبات کی ادائیگی کیلئے مصروف تگ و تاز رہا کرتے تھے- اب اس ... پر سوال پیدا ہو گا- کہ ہمارے پاس جبال سے اہل جبال مراد لینے کا ثبوت کیا ہے؟ نیز ہمارے پاس اس ... کیا شہادت ہے کہ ان کی تسبیح سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی کے لئے ہر آن مصروف تگ و تاز ... ہے- جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جبال سے مراد اہل الجبال ہیں- تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے- کہ

یہ قرآنی محاورہ ہے۔ کہ وہ مضاف الیہ کے مضاف کو حذف کر دیا کرتا ہے۔ اور مضاف الیہ پر ال کا وجود مضاف کے حذف پر دلیل و شہادت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ دیکھئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ **وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا** 12/82 یہ سیدنا یعقوب کے بیٹوں کی اپنے باپ کے حضور میں استدعا ہے۔ کہ اگر آپ کو ہمارے اس بیان پر شک ہے۔ تو آپ اس امر کی تصدیق کر لیں۔ اور اس کیلئے آپ اس بستی سے جا کر پوچھ لیں۔ جہاں پر ہم اقامت پذیر رہے ہیں۔ اب سوچئے کیا اس دور میں بستیاں بولا کرتی تھیں۔ یا آج بولا کرتی ہیں۔ یہاں تو کسی معجزہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ کہ اسے معجزہ مان کر گلو خلاصی کرا لی جائے۔ بات صاف ہے۔ کہ یہاں پر القریتہ (بستی) سے مراد اہل القریہ بستی والے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سیدنا لوطؑ کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ **وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ** 21/74

ہم نے اسے (مراد سیدنا لوطؑ) کو اس بستی سے نجات عطا کی۔ کہ جو فحش کاری کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ پس یہاں بھی بات بڑی واضح ہے کہ فحش کاری زنا۔ قتل۔ ڈاکہ زنی اور لواطت جیسے اعمال شنیعہ کا ارتکاب بستی یا اس کے در و دیوار نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے مرتکب بستیوں والے ہوا کرتے ہیں۔ پس ان مثالوں سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ جیسے یہاں القریتہ سے مراد اہل القریتہ ہیں اسی طرح سیدنا داؤد کے حوالے سے الجبال سے مراد اہل الجبال یعنی پہاڑی علاقوں کے عوام الناس اور وہاں کے عمائدین اور اہل حرفہ ہی ہیں اور بس۔ اب جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے۔ کہ تسبیح سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی ہے۔ تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات الصمد اور غنی عن العالمین ہے۔ لوگوں کی تعریفیں یا ان کا انکار و نافرمانی اس کی ذات میں کسی بھی کمی بیشی کا کسی قیمت پر بھی سبب نہیں بنتے۔ اس الصمد غنی عن العالمین اللہ' رب العالمین نے جو احکام و ہدایات بھی دی ہیں۔ وہ سب ہماری بھلائی اور ہماری فلاح کے حوالے سے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اوامر و نواہی کا نظام دیا ہے۔ اس کی تعمیل یا عدم تعمیل بھی ہمارے ہی بناؤ یا بگاڑ کے حوالے سے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا تمام تر مفاد بھی انسانی ذات کی فلاح کے حصول ہی سے وابستہ ہے اور بس۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ سورت النور میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** 24/41_ کیا تو نے غور نہیں کیا (یعنی تجھے غور کرنا چاہئے تھا) کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ سب جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ جو زمین میں ہیں اور پرندے بھی صف در صف نوع بنوع اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی صلوۃ اور اپنی اپنی تسبیح کو بہت اچھی طرح جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ کہ یہ کیا کیا یا کیا کچھ افعال و اعمال انجام دے رہے

...ل کے دیو قامت معمار، مزدور غواص۔ تجار وغیرہ تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے کہ جو اپنے ملک سے ...نوں کی اجازت لیکر سلیمانی مملکت میں آتے تھے۔ اپنی اغراض پوری کر کے واپس چلے جاتے تھے اب ... نے اس عبارت میں ان سلیمانی جنات کے بارے میں جو جو دعوے کئے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآنی ...ات پر غور فرمائیں۔

ہم نے کہا ہے کہ یہ پہاڑی علاقوں کے لوگ تھے جو مختلف اغراض و مقاصد کی تکمیل کیلئے سیدنا ...یمانؑ کے ماتحت کام کیا کرتے تھے۔ یہ پہاڑی لوگ سیدنا سلیمانؑ کو اپنے جلیل القدر باپ سیدنا داؤد سے ...ں ہوئے تھے۔ کیونکہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ **سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ** 21/79 اور ہم نے پہاڑوں کو (پہاڑی لوگوں کو) جناب داؤد کی ...دمت میں لگا دیا۔ اور نیز تیز رفتار گھوڑوں کے دستوں کو بھی ان کی خدمت میں لگا دیا۔ یہ سب اپنے ...رائض و واجبات کی ادائیگی کیلئے اپنے زور دروں کی بنیاد پر مصروف تگ و تاز رہا کرتے تھے۔ ہم نے یہاں پر ...جبال کا ترجمہ اہل الجبال یعنی پہاڑی لوگ کیا ہے۔ جبکہ روائتی ترجمہ یوں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ...جناب سیدنا داؤد کے ماتحت کر دیا۔ اور پہاڑوں کی تسبیح سے اہل روایات یہ مراد لیتے ہیں کہ جب سیدنا داؤد ...ترانہ حمد گاتے تو کوہ و دمن اس سے جھومنے لگتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ملوکیت کے غیر پیداواری نظام ...حکومت کے ماتحت بادشاہوں کے حضور میں خوشامدانہ مدحیہ قصیدہ خانی کو بے پناہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے اور ...دور ملوکیت کی یہ ذہنیت مذہبی اذہان میں بالخصوص اس حد تک راسخ ہو چکی ہے کہ جس کا ختم ہونا بظاہر خاصا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ دیکھئے اللہ رب العزت کی ذات تو احکم الحاکمین ہے 95/8 کوئی ادنیٰ ترین حاکم خواہ وہ کسی تحصیل کا تحصیلدار یا نائب تحصیلدار ہی کیوں نہ ہو وہ اس امر سے ہرگز راضی نہیں ہو گا۔ کہ صبح و شام اس کے حضور میں اس کو راضی کرنے کیلئے زبانی کلامی تعریف کے پل باندھے جائیں۔ لیکن اس نے اپنے زیر انتظام رہنے والی رعیت پر فرائض و واجبات کی تعمیل یا ادائیگی کا جو فریضہ عائد کیا ہے۔ اس کی جانب سے غفلت برتی جائے۔ یا اس فریضہ سے عہدہ برا ہونے کے دوران کوتاہی یا کسلمندی سے کام لیا جائے۔ پس سیدنا داؤد کے ساتھ اہل جبال کی تسبیح یہ تھی کہ وہ نظام الہی کے نفاذ اور ربوبیت عالمینی کے قیام کے حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض و واجبات کی ادائیگی کیلئے مصروف تگ و تاز رہا کرتے تھے۔ اب اس مقام پر سوال پیدا ہو گا۔ کہ ہمارے پاس جبال سے اہل جبال مراد لینے کا ثبوت کیا ہے؟ نیز ہمارے پاس اس امر کی کیا شہادت ہے کہ ان کی تسبیح سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی کے لئے ہر آن مصروف تگ و تاز ...رہنا ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جبال سے مراد اہل الجبال ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ

یہ قرآنی محاورہ ہے۔ کہ وہ مضاف الیہ کے مضاف کو حذف کر دیا کرتا ہے اور مضاف الیہ پر ال کا وجود مضاف کے حذف پر دلیل و شہادت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ دیکھئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ **وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا** 12/82 یہ سیدنا یعقوب کے بیٹوں کی اپنے باپ کے حضور میں استدعا ہے۔ کہ اگر آپ کو ہمارے اس بیان پر شک ہے۔ تو آپ اس امر کی تصدیق کر لیں۔ اور اس کیلئے آپ اس بستی سے جا کر پوچھ لیں۔ جہاں پر ہم اقامت پذیر رہے ہیں۔ اب سوچئے کیا اس دور میں بستیاں بولا کرتی تھیں۔ یا آج بولا کرتی ہیں۔ یہاں تو کسی معجزہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ کہ اسے معجزہ مان کر گلو خلاصی کرا لی جائے۔ بات صاف ہے۔ کہ یہاں پر القریتہ (بستی) سے مراد اہل القریہ بستی والے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سیدنا لوطؑ کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ **وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ** 21/74

ہم نے اسے (مراد سیدنا لوطؑ) کو اس بستی سے نجات عطا کی۔ کہ جو فحش کاری کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ پس یہاں بھی بات بڑی واضح ہے کہ فحش کاری زنا۔ قتل۔ ڈاکہ زنی اور لواطت جیسے اعمال شنیعہ کا ارتکاب بستی یا اس کے در و دیوار نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے مرتکب بستیوں والے ہوا کرتے ہیں۔ پس ان مثالوں سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ جیسے یہاں القریتہ سے مراد اہل القریتہ ہیں اسی طرح سیدنا داؤد کے حوالے سے الجبال سے مراد اہل الجبال یعنی پہاڑی علاقوں کے عوام الناس اور وہاں کے عمائدین اور اہل حرفہ ہی ہیں اور بس۔ اب جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے۔ کہ تسبیح سے مراد فرائض و واجبات کی ادائیگی ہے۔ تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات الصمد اور غنی عن العالمین ہے۔ لوگوں کی تعریفیں یا ان کا انکار و نافرمانی اس کی ذات میں کسی بھی کمی بیشی کا کسی قیمت پر بھی سبب نہیں بنتے۔ اس الصمد غنی عن العالمین اللہ، رب العالمین نے جو احکام و ہدایات بھی دی ہیں۔ وہ سب ہماری بھلائی اور ہماری فلاح کے حوالے سے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو اوامر و نواہی کا نظام دیا ہے۔ اس کی تعمیل یا عدم تعمیل بھی ہمارے ہی بناؤ یا بگاڑ کے حوالے سے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تمہید کا تمام تر مفاد بھی انسانی ذات کی فلاح کے حصول ہی سے وابستہ ہے اور بس۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ سورت النور میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ **اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ** 24/41 کیا تو نے غور نہیں کیا (یعنی تجھے غور کرنا چاہئے تھا) کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ سب جو آسمانوں میں ہیں۔ اور وہ جو زمین میں ہیں اور پرندے بھی صف در صف نوع بنوع اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی صلوٰۃ اور اپنی اپنی تسبیح کو بہت اچھی طرح جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ کہ یہ کیا کیا یا کیا کچھ افعال و اعمال انجام دے رہے

ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ہر ہر چیز کا ان فرائض و واجبات کو انجام دینے کیلئے مصروف تگ و تاز رہنا ہی دراصل اس کا اپنی تسبیح کو انجام دینا ہے۔ پھر اسی تسبیح کے عمل کو چاند۔ سورج یا سماوی کروں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے (36/40-21/33) پھر رسول اکرمؐ کے حوالے سے سورۃ المزمل میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ **اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا** 73/7 دن کے اوقات میں تو تمہارے لئے بہت مصروفیات ہیں (ترجمہ مودودی صاحب) غرضیکہ یہی لوگ سیدنا سلیمانؑ کو اپنے باپ سیدنا داؤدؑ کی جانب سے ملے اور وہ ان سے طرح طرح کے کام لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہٖ ط وَمَنْ یَّزِغْ مِنْھُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْہُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ○ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ** ..... 34/12-13 اور جنات کو سلیمان کے ماتحت کیا گیا جو اس کے احکام کے پیش نظر اپنے آقا کے اذن کے مطابق طرح طرح کے کام انجام دیا کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو کوئی ہمارے قانون یا منشاء کی خلاف ورزی کیا کرتا تھا۔ تو ہم اسے اس کی اس سرکشی کا مزا چکھایا کرتے تھے۔ وہ اس کیلئے اس کی منشاء کے عین مطابق فوجی چھاؤنیاں۔ جنگی اسلحہ۔ طرح طرح کے ماڈل ڈھانچے۔ ڈیزائن اور نقشے بنایا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ حوضوں جیسے بڑے بڑے لگن یا ٹینکیاں بھی بنایا کرتے تھے۔ اور وہ بڑی بڑی دیگیں تیار کیا کرتے تھے۔ جو کہ زمین کے اندر گڑی رہا کرتی تھیں۔ پھر دوسرے مقام پر ان میں معماروں اور غوطہ خوروں کو بھی شمار کیا گیا ہے 38/37-38 یہاں پر 34/13 میں جو یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم سرکشی اختیار کرنے والوں کو اس کا مزہ چکھایا کرتے تھے۔ جس کا ترجمہ اہل روایات نے یوں کیا ہے کہ اس کو ہم بھڑکتی آگ کا مزہ چکھاتے (ترجمہ مودودی صاحب) تو یہ ترجمہ صحیح نہیں یہ ترجمہ صرف اس مفروضہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ کہ یہ جنات چونکہ ناری الخلقت تھے لہٰذا انہیں سزا بھی دہکتی آگ ہی کی دی جاتی ہوگی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ترجمہ غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کی ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام میں دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے۔ **وَاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ** 38/38 اور کچھ اور تھے کہ جنہیں بیڑیوں یا بیڑکوں میں محصور کر کے رکھا جاتا تھا۔ یعنی سرکش افراد کو دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ رکھ کر ان سے کام لیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ کام تو کریں۔ لیکن ان کی بری صحبت کے اثرات متعدی ہو کر دوسروں کیلئے بگاڑ کا باعث نہ بنیں۔ غرضیکہ کتاب اللہ کے ان مقامات سے سلیمانی جنات کے بارے میں یہ بات کھل کر واضح ہو گئی۔ کہ یہ جنات بھی عام جنات ہی کی طرح تھے۔ اور ان میں اور جنات میں 46/29 کوئی نوعی فرق و امتیاز نہیں پایا جاتا تھا۔

مقرنین فی الاصفاد کے روائتی ترجمہ پر بھی ذرا غور کریں۔ اور دوسرے جو کہ پابند سلاسل تھے 38/38

(ترجمہ مودودی صاحب) سوال یہ ہے کہ وہ غیر مرئی ناری الخلقت مخلوق جسے جن یا شیطان کہا جاتا ہے۔ اسے پابند سلاسل کیسے رکھا جا سکتا ہے یا دیگر مترجمین کے نقطہ نظر سے انہیں بیڑیوں یا زنجیروں میں قید کر کے کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ بات بڑی واضح ہے کہ وہ لطیف مخلوق جو بقول علماء روایات کے ہوا کی طرح لطیف جسم کی مالک ہو۔ اور جو ہر آن نئی سے نئی شکل و صورت تبدیل کرنے پر قادر ہو۔ ایسی کسی مخلوق یا اس کے کسی فرد کو وہ بھی زنجیروں یا بیڑیوں میں کیسے مقید رکھا جا سکتا ہے۔ پس اس بات سے کہ نافرمان جنات کو الگ تھلگ کر کے مختلف محنت و مشقت کے کاموں پر لگایا جاتا تھا۔ یا بقول اہل روایات انہیں آہنی زنجیروں میں مقید رکھا جاتا تھا۔ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ غیر مرئی ناری الخلقت مخلوق نہ تھے بلکہ یہ گوشت و پوست کے بشر و انسان تھے۔ اور انہیں اسی طرح جیسے کہ آج بھی کوئی مہذب حکومت نافرمان لوگوں کو شرفاء سے الگ تھلگ کر کے قید خانوں میں ڈال کر رکھا کرتی ہے۔ رکھا جاتا تھا۔

سلیمان اور ان کے جناتی لشکر سلیمان کے ان ہنر مند کاریگروں۔ انجینئروں۔ معماروں ڈیزائنروں اور مزدوروں کے علاوہ جو کہ سول شعبوں میں مختلف فرائض و واجبات انجام دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ جنات سلیمانی لشکروں میں بھی طرح طرح کی فوجی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ **حُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ** 27/17 اور سلیمان کیلئے اس کے جناتی۔ انسانی اور طیر کے لشکروں کو ایک مہم کیلئے اکٹھا کر کے اس کو سر کرنے کیلئے انہیں کوچ پر کوچ کروایا جا رہا تھا۔ ان کی پلٹنوں کو منزل بمنزل الگ الگ پلٹنوں کی صورت میں آگے بڑھایا جا رہا تھا۔ اس سے ہمارے مخاطب ندیم صاحب اور ان کے قابل اعتماد روائتی علماء یہ تاثر دیتے اور تصور قائم کرتے ہیں۔ کہ یہ غیر مرئی ناری الخلقت جنات تھے۔ لیکن ہمارے یہ بزرگ اس سادہ سی حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ جنات کا جو تصور ان کے اذہان میں ہے۔ اس کے پیش نظر تو سلیمان کو لشکروں کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ یہ بات تو سب بزرگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایسے جنات اولین و آخرین میں صرف سیدنا سلیمانؑ ہی کیلئے مسخر کئے گئے تھے۔ تو جب سیدنا سلیمانؑ کے وقت میں ان کے مدمقابل کے کسی بھی چھوٹے یا بڑے بادشاہ یا ملکہ کے پاس ایسے جنات افراد کے طور پر بھی نہ تھے۔ اور سیدنا سلیمانؑ کے پاس ایسے جنات افراد کے طور پر نہیں بلکہ لشکر در لشکر کی صورت میں تھے۔ تو اس صورت میں سیدنا سلیمانؑ کو اپنے ہیڈکوارٹر کو چھوڑ کر کسی مہم کو سر کرنے کیلئے باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ چند ایک جنات یا ان کی ایک معمولی سی ٹولی کے ذریعہ ایسی کسی بڑی سے بڑی مہم کو بھی چند منٹوں میں سر کر سکتے تھے بات بڑی واضح ہے۔ کہ ایسے دیو مالائی جنات کا وجود ایک واہمہ ہے۔ ایسا کوئی جناتی وجود نہ سلیمانؑ کے دور میں تھا۔ اور نہ ہی آج ہے۔ پس یہ

آپ کی افواج میں اہل جبال کی وہ خصوصی بٹالین تھی۔ جس کا کام پہاڑوں کو اڑانا انہیں راستے سے ہٹا ان میں ہموار راستے بنانا۔ راستوں کو پختہ کرنا یا پل وغیرہ تعمیر کرنا تھا اور بس۔

وادی النمل اور نملتہ سلیمانی جنات کے عنوان سے متعلق ہی دوسرا عنوان وادی النمل اور ان کی نملتہ کا کلام کرنا ہے۔ یہاپر بھی جناب ندیم صاحب نے اہل روایات کے زیر اثر اور ان کی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر اس امر کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ کہ وادی النمل کسی نمل نامی قوم کی وادی نہ تھی۔ بلکہ یہ واقعی کیڑوں مکوڑوں یا چیونٹیوں ہی کی وادی تھی۔ اور اسی طرح نملتہ کے جس کلام کا اللہ تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے۔ اس سے مراد بھی چیونٹی اور اس کا کلام ہے۔ جہاں تک اس دلیل کا سوال ہے۔ کہ کس چیز کی بنیاد پر انہوں نے اتنا بڑا دعویٰ کیا ہے۔ تو اس حوالے سے نہ تو ان کے پاس تصریف آیات کے حوالے سے قرآن حکیم کے کسی دوسرے مقام کی کوئی شہادت ہے۔ اور نہ ہی ان کے پاس کلام عرب کے شواہد میں سے کوئی شاہد ہی ہے۔ اسی طرح اس دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے ان کے پاس ان کے محبوب جاہلی شعراء میں سے کسی کا کوئی کلام یا اس کا کوئی ادنیٰ ترین اشارہ بھی بطور دلیل موجود نہیں ہے۔ لے دے کے ان کے پاس بس یہ دلیل ہے۔ کہ وادی النمل کی کسی عورت خواہ وہ ان کی ملکہ ہی کیوں نہ ہو۔ اسے قرآن حکیم کو نملیتہ کہنا چاہئے تھا۔ یعنی قوم نمل کی طرف منسوب عورت' اس قوم سے وابستہ عورت' حقیقت یہ ہے۔ کہ اس استدلال کو پڑھ کر ان بیچاروں کی عقل اور عربی زبان کے بارے میں ان کے علم و فضیلت کے دعووٴں کا بھرم پوری طرح کھل گیا ہے۔ اسے پڑھ کر ان کے استاذ امام جناب حمید الدین فراہی کے بارے میں جناب علامہ مودودی صاحب نے سورۃ الفیل کے حوالے سے جو گرفت کی ہے۔ وہ یاد آجاتی ہے۔ علامہ مودودی صاحب نے سورۃ الفیل میں ایک عربی عبارت تحریر کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو ادا کرنا چاہتے کہ جو علامہ فراہی نے بیان کیا ہے۔ تو اس کیلئے عربی عبارت یوں ہونا چاہئے تھی۔ یعنی جناب مودودی صاحب نے استاذ امام فراہی صاحب کو اس قدر کند ذہن اور غبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ جو اتنی بات کو نہ سمجھ سکے تھے۔ حالانکہ استاذ امام حمید الدین فراہی مرحوم کی عربی زبان کی مہارت بہرحال مودودی صاحب کی بہ نسبت کہیں بڑھکر تھی۔ اور اس کی بہترین شہادت ان کی وہ عربی مولفات ہیں جو چھپ کر اہل علم سے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم داد تحسین وصول کر رہی ہیں۔ پس آیئے ان کی اس نملیتہ والی دلیل کو ذرا میزان علم و حکمت میں تولنے کی کوشش کریں۔ اگرچہ یہ اتنی بودی اور بے بنیاد بات ہے کہ اس کے لئے **فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا** 18/105 پس ہم ان کیلئے قیامت کے دن ترازو کھڑا نہیں کریں گے۔ پر اگر ہم عمل کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ لیکن اس صورت میں ان کے پندار نفس کا غبارہ اور پھول جاتا۔

کہ دیکھا ہماری اتنی بڑی دلیل کا وہ کوئی جواب تو کیا دیتے۔ وہ تو اس کی جانب کوئی ادنیٰ ترین اشارہ تک نہیں کر سکے پس جہاں تک وادی النمل کا سوال ہے تو ہمارے نزدیک اس سے مراد وہ وادی ہے کہ جس میں قوم نملہ آباد تھی۔ اور اس قوم پر کسی مرد کی حکمرانی ہونے کی بجائے ان کی ایک عورت حکمران تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس دور میں عورتوں کی حکمرانی کے نظریہ کا بول بالا تھا۔ کیونکہ ملک سبا پر بھی از روئے قرآن ایک ملکہ ہی حکمران تھی۔ باوجودیکہ وہاں کے مردوں کا دعویٰ تھا۔ کہ وہ بڑے زور آور اور جنگجو افراد ہیں 27/33

لیکن ہمارے نزدیک وادی النمل سے مراد چیونٹیوں کی وادی ہرگز نہیں اور نہ ہی یہ کسی چیونٹی کا کلام ہے۔ اسے کسی چیونٹی کا کلام قرار دینا مسلم و حکمت کے موتیوں کی مالا کو کوڑے کرکٹ کے مقام پر ڈالنے کے مترادف ہے۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ حیوان لایعقل چیونٹی کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ کسی دانا بینا ہوشمند انسان کا کلام ہے۔ اس کیلئے درج ذیل امور پر غور کیا جانا چاہئے۔

1- حیرانگی ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر جو اپنے بارے میں زبان دانی کے بلند بانگ دعاوی کرتے رہتے ہیں۔ جو اسالیب کلام پر گفتگو کرنے کا اپنے آپ کو تنہا اجارہ دار سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اس جگہ اس کلام کو چیونٹی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کلام تو خود بولا کرتا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی خود گواہی دیتا ہے۔ کلام سے متکلم کی شرافت یا دنائت کا پتہ چلتا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی جلالت یا رذالت پر خود گواہ ہوا کرتا ہے۔ ہر کلام کی اپنی ایک شان ہوا کرتی ہے۔ جو اپنے متکلم کی جانب مخاطب یا سامع کو کشاں کشاں لئے جایا کرتی ہے۔ اس باب میں سید مودودی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے دیکھئے 12/52-53 کے بارے میں متقدمین سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ زلیخا زن عزیز کے الفاظ ہیں تو دوسرا گروہ اسے سیدنا یوسف کا کلام مانتا ہے۔ ہم بھی اسی دوسرے گروہ کے ساتھ ہیں۔ بہرحال اس حوالے سے سید مودودی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے۔

"لیکن مجھے تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جیسے دقیقہ رس آدمی تک کی نگاہ سے یہ بات کیسے چوک گئی کہ شان کلام بجائے خود ایک بہت بڑا قرینہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے' کسی اور قرینے کی ضرورت نہیں رہتی تفہیم القرآن جلد دوئم صفحہ 410"

یعنی کلام خود اپنے متکلم کی گواہی دے دیتا ہے۔ اسی طرح یہ 27/18-19 خود بول رہا ہے۔ کہ یہ کلام کسی حیوان چیونٹی کا ہے یا کوئی دانا بینا ہوشمند انسان اس کا متکلم ہے آیئے ہم آپ کیلئے ایک قرینہ نہیں بلکہ کئی ایک قرائن کی نشاندہی کر دیں۔

2- (الف) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کلام لفظی انسان کا خاصہ ہے۔ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

خلق الانسان و علمه البیان 3-55/4 یعنی قوت بیانیہ انسان کا اختصاص ہے۔ کلام جہاں بھی ہو گا وہاں شعور، اختیار و ارادہ ہو گا۔ یہ حقیقت ہے۔ ہاں مجازی طور پر قول کا اطلاق زمین 41/11 آسمان 41/11 وغیرہ کی طرف بھی ہوا ہے۔ لیکن یہ مجاز ہے۔ اور کسی جگہ مجاز ماننے کیلئے قرائن کا ہونا ضروری ہوا کرتا ہے۔

(ب) اس عظیم الشان نملہ یعنی ملکہ نے کہا۔ یایھا النمل 27/18 اے نمل۔ یہاںپر غور کریں۔ فرمایا جا رہا ہے۔ اگر یہ بے عقل چیونٹی کا بے عقل چیونٹیوں کو خطاب ہوتا تو یایتھا یایھا النمل لنمل ..... ہونا چاہئے تھا۔ ادخلو 27/18 دیکھئے اگر کوئی بے عقل بے عقلوں کو حکم دے رہا ہوتا تو اسے ادخلی کہنا چاہئے تھا۔ مساکنکم 27/18 غور کیجئے یہاںپر ایک تو مساکن کا لفظ جس کا معنی سکونت گاہیں اور رہائش گاہیں ہے اور جو قرآن حکیم میں جہاں بھی استعمال ہوا ہے انسانی آبادیوں اور ان کی رہائش گاہوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ کوئی ایک استثنائی مثال بھی نہیں پیش کی جا سکتی۔ پھرکم۔ جو کہ مضاف الیہ ہے۔ یہ بھی ان کے بے عقل ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اگر یہاں پر بے عقل حیوان مراد ہوتے تو ضمیر ک استعمال ہونا چاہئے تھی۔ لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ وھم لا یشعرون 27/18 نہ روند ڈالیں تمہیں سلیمان اور ان کے لشکر۔ غور کیجئے یہاں پر پھرک کی بجائے کم کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں پر حطم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے۔ روندنا۔ پیس دینا۔ چورا چورا کر دینا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ لو نشاء لجعلنه حطاما ... 56/65 اگر ہماری مشیت کا تقاضا ہوتا تو ہم اسے چورا چورا کر دیتے۔ نیز جہنم کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ ما ادرک ما الحطمة 104/5 آپ کس عمدہ طور پر جانتے ہیں کہ وہ پیس ڈالنے والی کیا ہے۔

غور کیجئے حیوان لا یعقل اپنے بارے میں کسقدر زبردست خطرہ کا احساس کر رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے۔ کہ تمہیں سلیمانؑ اپنے لشکروں کے ساتھ تباہ و برباد کر ڈالے گا۔ سوچئے جہاں سے سیدنا سلیمانؑ اپنے لشکروں کے ساتھ چلے تھے وہاں سے لیکر اب تک کوئی چیونٹی آپ کے یا آپ کے لشکروں کے پاؤں میں مسلی نہیں گئی تھی؟ وھم لا یشعرون 27/18 وہ شعور نہیں رکھتے ہیں۔ غور کیجئے یہ کتنا بڑا قرینہ ہے۔ کہ جو وہ ملکہ ظاہر کر رہی ہے۔ وہ اپنی قوم سے کہہ رہی ہے۔ کہ تم اپنے گھروں میں پرامن طریقے سے بیٹھے رہو۔ لشکر جرار کے سامنے نہ آو۔ کیونکہ انہیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ کہ ہم سلیمان کے دوست ہیں۔ یا دشمن یا ہمارا اس کے دشمنوں سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ ہمارا مجرد سامنے آنا یہ تاثر دے سکتا ہے۔ کہ ہم بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ جس سے ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی مڈبھیڑ ہو جائے۔ یا کوئی نادان ایسے ہی شرارت کر دے۔ اور پھر دوسری طرف سے جوابی کاروائی ہو۔ تو اس طرح جنگی قوت کے ہاتھوں ہمیں روند دیا جائے۔ سوچئے۔

حیوان لا یعقل کو کیسے پتہ چلا کہ آنے والا سلیمان ہے۔ اور یہ کہ یہ اس کے لشکر ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہاں لا یشعرون کا قرینہ اتنا بڑا ہے۔ کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی بے شعور ہی اس کا انکار کر سکتا ہے۔ اگر معاملہ مجرد حیوان لا یعقل کا ہوتا تو وہ کہتی مبادا تمہیں وہ روند نہ ڈالے اس حال میں کہ تم انہیں نظر نہ آؤ۔ یعنی ان دیکھے وہ تمہیں روند ڈالیں۔ لیکن یہاں وھم لا یرون یا لا ینظرون یا لا یبصرون کی بجائے ھم لا یشعرون وہ کہہ رہی ہے۔ جس کا معنی ہے کہ وہ اس امر کا شعور نہیں رکھتے۔ انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے۔ کہ ہمارے اور اس کے دشمنوں کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ چونکہ ہم بھی اس کے دشمنوں کے قرب و جوار میں رہتے ہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ گمان کر لے کہ ہمارے اور اس کے دشمنوں کے مابین ہمسائگی کے تعلقات دوستی اور پکی دوستی پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا اور نہیں تو کم از کم ہم اس کے لشکروں کی تعداد ان کی ہیئت کذائی کی رپورٹ تو اس کے دشمنوں تک کسی نہ کسی طرح پہنچا سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

آگے 27/19 میں فرمایا گیا ہے۔ کہ سیدنا سلیمانؑ نے ملکہ اور اس کے کلام اور اس کی اس حکمت عملی کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت قرار دیا۔ اور دعا کی کہ اے رب العزت تو مجھے اس نعمت کے بھرپور اور اپنے قانون کے مطابق استعمال کی توفیق عطا فرماتا رہ مجھے توفیق دیتا رہ کہ میں ایسی نعمتوں کو تیری خوشنودی کے حصول کیلئے استعمال کرتا رہوں۔ تو سوچئے۔ غور کیجئے۔ کیا بھلا حیوان لا یعقل چیونٹی کے اس کلام نے عظیم الشان رسول میں اتنا بڑا داعیہ دعا پیدا کر دیا تھا۔ نہیں نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ آپ کے قرب و جوار میں پائی جانے والی اقوام آپ سے مقابلہ کرنے کی بجائے پرامن طریقے سے مذاکرات کر کے سلامتی کے راستے پر چلنے کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور چونکہ انبیاء کرام ملکوں کو فتح کرنے کیلئے نہیں آیا کرتے بلکہ ان کا مشن تو قلوب یعنی دل و دماغ کو فتح کر کے عبودیت و ربوبیت عالمینی کا قیام ہوتا ہے۔ اسی لئے سیدنا سلیمانؑ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لا رہے ہیں۔ کہ اے اللہ رب العزت تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ تیرے نظام ربوبیت کے قیام سے اب ہم اس منزل تک جا پہنچے ہیں۔ کہ ہمارے دشمن برسر پیکار ہونے کی بجائے خود بخود صلح و سلامتی کے لئے آمادگی پر آمادگی ظاہر کر رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے۔ کہ جب رسول اکرمؐ نے مدینہ میں قرآنی نظام عبودیت و ربوبیت کو نافذ کر دیا۔ تو صلح حدیبیہ کے بعد نہائت ہی کم مدت کے اندر اندر جزیرۃ العرب کے قبائل و عشائر صلح و سلامتی کے معاہدات کے لئے مدینہ میں جوق در جوق آنے لگے۔

3- اب آیئے ان قرائن کی بجائے زیر بحث مسئلہ کے بارے میں ایک اور حوالے سے کلام اللہ سے راہنمائی حاصل کریں۔ یہ دیکھیں کہ جب حیوان لا یعقل کو مخاطب بنا کر اسے کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس

سورت میں صیغے مذکر کے استعمال کئے جاتے ہیں یا مونث کے؟ ہمارا خیال ہے کہ اس کے بعد کوئی مومن بالقرآن تو مکابرہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔ اور اگر کوئی ایمان بالقرآن ہی سے خالی ہو تو اس کی بات دوسری ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ **وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا** 16/68 **ثُمَّ کُلِیْ ...... فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ......** 16/69

غور کیجئے۔ یہاں پر خطاب شہد کی مکھیوں کو بطور جنس کے ہے۔ کیونکہ النحل کے بعد تائے وحدت یا تائے تانیث موجود نہیں ہے۔ اور النحل کا وزن ٹھیک طور پر وہی ہے۔ جو کہ النمل 18-27/17 کا ہے۔ اب غور کیجئے۔ کلام اللہ میں تین فعل امر استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اتخذی۔ بنا لو یا پکڑو۔ اختیار کرو۔ کلی۔ کھاؤ۔ فاسلکی۔ چلو۔ لیکن یہ تینوں افعال امر مذکر نہیں بلکہ واحد مونث کے طور پر لائے گئے ہیں۔ پھر غور کیجئے۔ سبل ربک ۔ اپنے رب کے راستوں پر۔ کے الفاظ میں ربک کہا گیا ہے۔ نہ کہ ربکم۔ پس اگر 18-27/17 میں النمل سے مراد چیونٹیاں ہوتیں۔ اور لا یعقل حیوانوں کو خطاب ہوتا۔ تو عربی عبارت یوں ہوتی۔ کہ **یَا اَیَّتُھَا النَّمْلُ اُدْخُلِیْ فِیْ مَسَاکِنِکِ** وغیرہ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مذکر عاقل کے صیغوں اور ضمائر کا استعمال ہونا اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ یہاں پر صاحب اختیار و ارادہ ذی شعور مخلوق کا کلام ہے۔ اور وہ سوائے انسان کے کوئی دوسری مخلوق نہیں ہے۔

لہٰذا اگر جناب پرویزؒ صاحب نے اس مقام پر اسے حیوان لا یعقل کا کلام نہیں مانا۔ تو یہ ان کے ہوشمند۔ صاحب بصیرت مفکر ہونے کی دلیل ہے۔ نہ کہ نعوذ باللہ ان کے گمراہ ہونے کا اعلان بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ لوگ جو کہ اسے حیوان لا یعقل کا کلام نہ صرف خود مانتے ہیں۔ بلکہ دوسروں سے بھی ایسا منوانے پر مصر ہیں۔ وہ دشمنان امت و ملت اسلامیہ نہیں چاہتے۔ کہ اس امت ن دنیا میں دوبارہ عقل و خرد کا آفتاب فرقان طلوع ہو کہ جس کے نتیجہ میں یہ ظلمات کافور ہوں۔ اور انوار و تجلیات کے ظہور سے دوبارہ یہ امت اور پھر کل انسانیت بقعہ انوار اور مطلع تجلیات بن جائے۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس غلط فہمی کا بھی صفایا کر دیا جائے کہ جس کی وجہ سے ان اصحاب نملیتہ کو دھوکا لگا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ کہ قوم نمل کی طرف منسوب عورت کو نملیتہ کہنا چاہئے تھا ہم کہتے ہیں۔ برادرم ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں۔ غور کریں اس صورت میں نملیتہ کے لفظ میں دونوں احتمالات پائے جاتے یعنی کوئی مونث جو کہ نملہ کی قوم میں سے ہو۔ اور وہ بھی کہ جو اس کی طرف کسی بھی حوالے سے منسوب ہو۔ خواہ وہ حقیقی طور پر اس میں سے ہو یا نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر یائے نسبت کا مقام ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نملتہ کے ساتھ جو تنوین استعمال کی ہے۔ اس کا

اصل مقصد تفخیم اور عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔ اور اس طرح اس مقام پر نملۃ کے ساتھ تائے تنوین لانے سے مراد الٰہی یہ ہے۔ کہ وہ نملہ قوم نملۃ میں عظیم الشان حیثیت کی مالک تھی اور بس۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا عربی زبان میں تنوین تفخیم یا عظمت شان کیلئے استعمال ہوتی ہے یا نہیں۔ تو ہمارا جواب ہے کہ ہوتی ہے۔ اور کوئی ایسا شخص جو عربی زبان سے ابتدائی طور پر بھی شدھ بدھ رکھتا ہو وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر ہمارے ندیم کو اس سے انکار ہو گا۔ تو اگلی قسط میں ہم اس کیلئے مغنی اللبیب اور اس جیسی مستند کتابوں سے شہادات و نظائر پیش کر دیں گے۔ نیز یاد رہے کہ سورۃ الجن میں اللہ تعالیٰ نے جنات کے حوالے سے جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ ان اقوال کی نسبت کے بارے میں ہمارے ہاں علمی حلقوں میں ایک بہت بڑی غلطی پائی جاتی ہے۔

مفسرین قرآن نے یہ تاثر دے رکھا ہے۔ کہ یہ سارے کا سارا جنات کا بیان ہے۔ حالانکہ یہ جنات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں اعلان ہے۔ اس پر اگلی قسط میں گفتگو کریں گے۔ یہاں تو ہم نے یہ بتانا ہے۔ کہ سورۃ الجن میں اہل کتاب کی نصرانی یا مسیحی شاخ کے ان عقائد پر الٰہی تنقید ہے۔ کہ جو انہوں نے توحید خالص سے انحراف کر کے شرک میں مبتلا ہو کر اختیار کر رکھے تھے۔

استدراک

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ زیر بحث مضمون کی مناسبت سے جنات کے حوالے سے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جائے۔ عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ مذہبی حلقوں کے علمائے افاضل میں بھی یہ غلط خیال نہایت گہری جڑ پکڑ چکا ہے۔ کہ جنات عالم الغیب ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے ایسے مذہبی لوگ کہ جن کا دعویٰ ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی جن کو مسخر کر رکھا ہے۔ ان کے پاس گم شدہ چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے۔ کہ ان کے پاس جو جن مسخر ہے۔ وہ انہیں دنیا جہان کی خبریں آکر بتاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ جب یہ لوگ کسی کے اندر سے جن کو نکالنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو اس سے یہ لوگ سیدنا سلیمانؑ کے نام کی قسم لیتے ہیں۔ کہ وہ دوبارہ اس عورت یا مرد کو آکر نہیں چمٹے گا۔ وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ چونکہ سلیمانؑ جنات کے بادشاہ تھے۔ یہ جنات ان کیلئے مسخر کئے گئے تھے۔ لہٰذا ان پر آج تک سلیمانی حکمرانی کا رعب و دبدبہ قائم ہے۔ آیئے اس حوالے سے مذہبی پیشوائیت کے اس مزعومہ خیال کے بارے میں کہ جس میں عوام الناس ہی نہیں بلکہ جید علمائے کرام بھی مبتلا ہیں۔ کلام اللہ سے راہنمائی حاصل کریں۔ قرآن حکیم سورۃ السباء میں ارشاد فرماتا ہے۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ 34/14 پس ان کے لئے اس کی موت کی جانب سوائے اس دابتہ الارض کے کوئی دوسرا امر راہنمائی نہ کر سکا۔ کہ جو اس کی حکومت و سلطنت کے اسباب و عوامل کو چٹ کر چکا تھا۔ جب اس کی حکومت و شوکت کا ڈھانچہ بالکل ہی گر گیا۔ تو جنات کہنے لگے۔ کہ اے کاش کہ انہیں علم غیب ہوتا۔ تو وہ اس صورت میں اس اہانت آمیز صورت احوال میں مبتلا نہ رہتے۔ اب آپ ذرا خط کشیدہ الٰہی الفاظ کا مشاہدہ کریں۔ اور دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ دو ٹوک الفاظ میں سلیمانی جنات کی زبان سے اس امر کا اعتراف و اعلان کروا رہے ہیں۔ کہ وہ عالم الغیب نہ تھے۔ فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ان جنات نے کہا۔ کہ اے کاش کہ انہیں علم غیب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنات کو علم غیب نہیں۔ بلکہ مزید برآں یہ کہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا غیب دان ہے ہی 27/65 حتیٰ کہ رسول اللہ بھی عالم الغیب نہ تھے 6/50-7/188 لیکن یہ مذہبی پیشوا ہیں۔ کہ ان سلیمانی جنات کو عالم الغیب مان رہے ہیں کہ جن کا اپنا اعتراف ہے کہ انہیں قطعاً" الغیب کا علم نہیں ہے۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ علامہ محمد اقبالؒ کا یہ کہنا کہ

مکتب و ملا و اسرار کتاب
کور مادر زاد و نور آفتاب

سو فیصد درست ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مذہبی پیشوائیت صدیوں سے قرآنی حقائق و معارف سے اپنا رشتہ منقطع کر کے انسانوں کی خود ساختہ و خود تراشیدہ روایات کی بھول بھلیوں میں اس حد تک کھو چکی ہے۔ کہ اب اس کی اور قرآن پاک کی بتائی ہوئی حقیقتوں میں بعد المشرقین پیدا ہو چکا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ حیات کو جو حیات بخش بھی ہے اور خرد افروز بھی' مردوں اور قبرستانوں کیلئے وقف کر رکھا ہے اور قبرستانوں کی موت و مردنی کو مدارس و مراکز علمیہ کی طرف لے آئی ہے۔ اس کے نتیجہ میں پورا عالم اسلامی آج ایک تنگ و تاریک قبرستان کا سماں پیدا کئے ہوئے ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ علامہ پرویزؒ صاحب نے حیات افزا اور فرد افروزی کی جو تحریک برپا کی ہے۔ کہ جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ عالم اسلامی میں دوبارہ قرآنی آفتاب کی کرنوں نے اپنی ضو افشانی شروع کر دی ہے۔ اب آہستہ آہستہ نور و ظلمت میں کشمکش شروع ہو چکی ہے۔ کتاب اللہ کی طرف پیش قدمی کا عمل شروع ہو کر فروغ پذیر ہو رہا ہے۔ جس سے جن بھوت اور ان کے قصوں کہانیوں کے نام پر پیدا کردہ دھند اور کہر آہستہ آہستہ دبے پاؤں بھاگنا شروع کر چکی ہے۔ لیکن ظلمت خواہ قوتیں فکر پرویزؒ کی قرآنی مشعل کی کرنوں کے فروغ و اشراق کے راستے میں حائل ہونے کی

کوشش کرنے مین مصروف ہیں۔ لیکن ظلماتی قوتیں اب تک اس [illegible] اور پردہ شکن قوت الٰہی کا مقابلہ کرتی رہیں گی۔ آخر کار ان کی موت بہرحال یقینی ہے۔

(جاری ہے)

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	B-12 حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران %35 رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)

ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عرفان الرحمٰن

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں!
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

ہماری خودی مسلمان ہو جائے تو ہمارے دریا میں طوفان آجاتا ہے۔ ہم تقدیر خداوندی کے شاکی نہیں خود تقدیر خداوندی بن جاتے ہیں۔ اندریں حالات شاعر اسلام حضرت اقبال رحمتہ اللہ کا یہ فرمانا کہ

؎ خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟

ایک سوال بھی ہے۔ ایک خواہش بھی ہے۔ ایک حسرت و استعجاب بھی ہے۔ اس سوال' خواہش اور حسرت کا پس منظر بھی ہے اور پیش منظر بھی۔ مالہ' بھی ہے اور ماعلیہ بھی۔ ان تمام حوالوں پہ نظر دوڑاتا ہوں تو حضرت اقبالؒ کے 6666 اشعار میں سے ایک ایک میرے سامنے آنے لگتا ہے۔ میں ان میں سے ان' 125 اشعار کا انتخاب کرتا ہوں جن میں لفظ خودی استعمال کیا گیا ہے۔ سوال' خواہش اور حسرت کے حوالے سے جب اس بات پر غور کرتا ہوں کہ "خودی مسلمان ہو جائے تو کیا ہو گا" تو 26 اشعار میرے سامنے مختلف جوابات لے کر آجاتے ہیں۔ مجھے بتلایا جاتا ہے کہ خودی مسلمان ہو کر خاص بلندی تک پہنچ جائے تو خدا اپنی تقدیر نافذ کرنے سے پہلے صاحب خودی کی رضا کا خیال رکھتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

خودی مسلمان ہو کر بلند ہی نہیں ہوتی صورت فولاد مضبوط بھی ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ہم مادی وسائل سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد!

شمشیر کی حاجت اس لئے نہیں رہتی کہ صاحب خودی خود شمشیر بن جاتا ہے۔

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق!

یہ بے نیازی ہمہ پہلو ہوتی ہے۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ۔

نہ میں عجمی' نہ ہندی' نہ عراقی و حجازی
کہ خودی سے میں نے سیکھی دو جہاں سے بے نیازی!

جب خودی مسلمان ہو کر ہمیں دو جہاں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ تو ہمارے علم و عمل گویا الہام و قیامت کا منظر بن جاتے ہیں۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریلؑ
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیلؑ

اب وہ مقام آچکا ہے کہ ادھر بات زبان پر آتی ہے ادھر اس پر عمل درآمد ہو جاتا ہے۔

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہو جا ' خدا کا ترجماں ہوجا

بات یہاں آکر رک نہیں جاتی۔ اب صاحب خودی ذات الوہیت کا آستانہ بننے کو ہے۔

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ مکان اپنے مکیں کو ترستا ہی رہے؟

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاح کار کی راہ!

اس راہ میں موت بھی حائل نہیں ہو سکتی' بلکہ معاون بن جاتی ہے۔

ہے ذوق نمود زندگی' موت

تعمیر خودی میں ہے خدائی!

جب خودی مسلمان ہو کر اس مرحلے پر آتی ہے تو فرد واحد پوری فوج کا ہم پلہ ہو جاتا ہے۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ!

پوری فوج سے تشبیہ تو ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے۔ بہت جلد ایسا ہو جاتا ہے کہ۔

خودی شیر مولا' جہاں اس کا صید
زمین اس کی صید' آسمان اس کا صید!

صرف جہان' زمین اور آسمان کی بات نہیں۔ صاحب مسلم خودی موت کو بھی زیر کر لیتا ہے۔

ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے!

موت پر یہ غلبہ دائمی ہوتا ہے۔ اور زندگی بھی مردہ نہیں۔ موثر ہوتی ہے۔

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

مسلمان خودی موت کو محض ایک مرحلہ' ایک امتحان' ایک ترقی کا زینہ بنا لیتی ہے۔

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات!

مسلمان خودی زندگی کو وہ کیف دیتی ہے۔ جس کا خاص سرور ہوتا ہے جو دائمی بھی ہوتا ہے۔

مہ و ستارہ مثال شرارہ یک دو نفس
مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے!

مسلمان ہو جانے والی خودی' محض پر از سرور ابدی حیات پر ہی قانع نہیں رہتی۔ بلکہ صاحب خودی یعنی زندہ خودی کا حامل سلطانئ موجودات کا منصب پاتا ہے۔

خودی ہے مردہ تو مانند کاہ' پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجودات!

خودی کی یہ سلطانی نام نہاد سلطانی نہیں ہوتی بلکہ اپنے پورے جلال اور کروفر کے ساتھ ہوتی ہے۔

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

اس مقام پر حیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس پر تو محض خودی کا عرفان ہی لے جاتا ہے۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی!

خودی مسلمان ہونے پر یہ مقام اختیار ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے!

یہ عظیم انقلاب، مادی وسائل کی فراوانی کا محتاج قطعاً نہیں ہوتا۔

خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو کے کئے بحر بیکراں پیدا!

یہ امر طے شدہ ہے کہ مسلمان خودی کا راستہ کوئی مشکلات نہیں روک سکتیں۔

خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں، پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار، پرنیاں و حریر!

اگر گردش دوراں مغلوب نہیں ہوئی تو یقینی بات ہے کہ خودی مسلمان نہیں ہوئی۔

اس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اسیر
گردش دوراں کا ہے جس کی زباں پر گلہ!

خودی مسلمان ہو کر، بحر وحدت کا غواص بناتی ہے جو مقصود زندگانی ہے اور جس کے نتیجے میں یہ کائنات زیر و زبر ہو سکتی ہے۔

خودی سے اس مقام رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا، نہ میں سمجھا!

اس حالت میں ناامیدی کا کیا سوال ہے؟ ہر مزاحم چیز خود معاون بن جاتی ہے۔

خودی میں ڈوب زمانے سے ناامید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو!

مسلمان خودی انسان کو اس مقام پر لے جاتی ہے جب اس میں سے ہر منفی پہلو بالکل ختم ہو جاتا ہے اور اسکی ذات قوم نہیں' قوموں کو حقیقی اور ہمہ جہت آزادی سے ہمکنار کرتی ہے۔

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے!

اس مقام کا انسان' غیر متنازع اور متفق علیہ شکل اختیار کر کے مرجع خلائق بن جاتا ہے۔

خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکرانہ ترا
ترے فراق میں مضطر ہے موج نیل و فرات!

اگر یہ تمام حقائق درست ہیں۔ اور یقیناً درست ہیں۔ اگر یہ تمام نکات حقیقی فہم القرآن کا نتیجہ ہیں' اور یقیناً ہیں۔ یہ باتیں ہماری ایمانیات کا جزو لاینفک ہیں۔ الم نشرح ہیں اور اظہر من الشمس ہیں تو اپنی موجودہ کسمپرسی اور پست حالت کے باوجود' اپنی خودی کو مسلمان نہ کرنا۔ خودی کا مسلمان نہ ہونا۔ ناقابل فہم ہی تو ہے۔ اور شاعر اسلام کے ساتھ' ہر صاحب فہم و بصیرت و درد مسلمان سے واضح غیر مبہم۔ دو ٹوک اور حتمین الفاظ میں کہلواتا ہے۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں!
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

(2)

"خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟" اس سوال' خواہش یا استعجاب کے پس منظر و پیش منظر۔ اس کے مالہ' وما علیہ پر روشنی ڈالنے والے علامہ اقبالؒ کے وہ اشعار تلاش کریں جن میں بتلایا گیا ہے کہ "خودی مسلمان نہ ہو تو کیا ہوتا ہے" تو (26) اشعار کا ایک اور سیٹ میرے سامنے آجاتا ہے۔ یہ سیٹ مجھے بتلاتے ہیں کہ خودی مسلمان نہ ہو غیر آشکارا ہو تو انسان کی اصلی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدمؑ
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے!

اصلی صلاحیتیں بروئے کار نہ آئیں تو ہم "خدا کے راز دان" بننے کا شرف حاصل نہیں کر پاتے۔

خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا!

ایسا انسان اخلاقی' روحانی اور ارفع مقامات سے گر کر' حرام خوری تک جا پہنچتا ہے۔

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام!

باطنی و سیرتی بد صورتی کے ساتھ ظاہری بدصورتی بھی مقدر ٹھہرتی ہے۔

نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب میں پیدا' قبیح و نامحبوب!

خودی مسلمان نہ ہو تو صوری و معنوی قباحت کا حامل غیروں کے نظریات کا اسیر ہو جاتا ہے۔

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی!

اس فکری اسیری کو علامہ یوں بھی واضح کرتے ہیں کہ۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
زناری برگساں نہ ہوتا!

افکار و تخیلات اپنے نہ رہیں۔ تو انسان "لاشہ محض" بن کر رہ جاتا ہے۔

خودی کی موت سے روح عرب ہے بے تب و تاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام!

حقیقت یہی ہے۔ کہ نامسلم خودی' انسان سے انسانیت کا اصلی جوہر چھین لیتی ہے۔

گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں!

جب ایسے کافر خودی والوں کو اغیار بھی تاڑ لیتے ہیں۔ ان کے افکار و تخیلات پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے حیلوں بہانوں سے اپنا نظام تعلیم اس پر مسلط کر دیتے ہیں تو وہ انتہائی بلندیوں پر متمکن ہو تو بھی اتھاہ پستیوں میں آگرتا ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!

ایسا شخص یا بالفاظ دیگر ایسی قوم' انتہائی کسمپرسی کی حالت میں آجاتی ہے۔

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوزو ساز حیات
خودی کی موت ہے یہ' اور وہ ضمیر کی موت!

ان لوگوں کا مقدر ناکامی' ناکامی اور صرف ناکامی ہو جاتا ہے۔

زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں
جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں

ہمارا دین' ایمان' ہماری فکر جب خودی سے بیگانہ ہو جائے تو منزل رسوائی پر منتج ہوتی ہے۔

ہوئی ہے زیر فلک امتوں کی رسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ!

اور یہ رسوائی حال سے بڑھ کر مستقبل پر بھی محیط ہو جاتی ہے اور ہمیں نہیں نہیں کر دیتی ہے۔

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ!

اس تباہی کی ایک واضح صورت' ظاہری یا درپردہ غلامی بن کر سامنے آتی ہے۔

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام!

یہ غلامی اس وقت تک ہمارا مقدر بنی رہتی ہے۔ جب تک ہماری خودی مسلمان نہ ہو جائے۔

اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام!

خودی مسلمان نہ ہو' تو یہ غلامی' ہماری نظر کو حد درجہ کوتاہ کر کے' صرف موت تک محدود کر دیتی ہے۔

تری نجات غم مرگ سے نہیں ممکن
کہ تو خودی کو سمجھتا ہے پیکر خاکی

غم مرگ سے نجات نہ پانے والا' مرنے کے بعد' دائمی زندگی میں بھی تماشا بنا رہتا ہے۔

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں!
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں!
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوۂ دوست؟!
قیامت میں تماشا بن گیا میں!

خودی مسلمان نہ ہو گی تو پھر کون ہے جو ہمیں ان ناکامیوں۔ تلخیوں۔ رسوائیوں۔ غلامیوں۔ محرومیوں سے بچا سکے۔ ان حالات میں یہ کہنا بجا اور بالکل بجا ہے کہ۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟

(3)

خودی مسلمان ہوتی تو ہم کس بلند مقام پر فائز ہوتے !! خودی مسلمان نہ ہونے سے ہم کن اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ چکے ہیں !! تفاصیل سامنے آگئیں۔ مگر اس کے باوجود' ہم خودی کو مسلمان کرنے کے راستوں پر نہ گامزن ہیں نہ اس کے متعلق سوچ رہے ہیں۔ خودی مسلمان کرنے کی توقع تعلیمی درس گاہوں یا دینی تربیت گاہوں سے کی جا سکتی ہے۔ مگر یہ دونوں قسم کے ادارے حصول مقصد میں بری طرح ناکام ہیں۔ خودی کو مسلمان کرنے والا گیت ابھی معرض انتظار میں ہے۔ کیونکہ مطرب ہی غائب ہے۔

جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہان خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!

جہاں تک تعلیمی اداروں کا تعلق ہے۔ وہاں خودی کا تذکرہ بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔

اقبال! یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات

ہمارے تعلیمی اداروں کا مجموعی مزاج تقلید کی راہ پر چلانے کا ہے جبکہ تقلید' خودی کو از کار رفتہ کر دیتی ہے۔

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ

ہماری تعلیم کا مقصد ہی مادیت کا حصول ہے۔ اصل زندگانی تو بطور منزل و مقصد سامنے آتی ہی نہیں۔

محکم کیسے ہو زندگانی؟
کس طرح خودی ہو لازمانی؟
آدم کو ثبات کی طلب ہے
دستور حیات کی طلب ہے!

ہم تقلید و مادہ پرستی کے غلام بن گئے۔ تو غیر اسلامی لہریں ہمارے ساتھ کیا کچھ نہ کریں گی۔

تاثیر غلامی سے ہوئی جس کی خودی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے !!

افسوس تو یہ ہے کہ مذہبی تربیت گاہیں بھی خودی کو بیدار کرنے میں ناکام ہیں۔

نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی روح تریاکی!

دینی مراکز کی آگ مغلوب بہ آب ہو چکی ہے۔ پس یہ ہماری خودی کو بھڑکا نہیں سکتی۔

ممکن نہیں تخلیق خودی خانقاہوں سے
اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا؟

خودی کی جلد اور اسلام' انفرادی نشوونما کی مرہون منت ہے۔ جس کا کوئی اہتمام نظر نہیں آتا۔

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسرا

دیر و حرم۔ مساجد و خانقاہیں ایسی سرگرمیوں سے نابلد ہیں جو خودی کی نگہبانی کر سکیں۔

یہ ذکر نیم شبی' یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

محض دینی رسوم تو در کنار- راہ خودی میں زندگی و موت سے بھی منہ موڑنا پڑتا ہے-

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود!

ہمیں اپنی خودی کو راہ اسلام پر گامزن کرنے کے لئے گوشہ عافیت کو تج دینا ہو گا-

کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر
مقام اپنی خودی کا فاش تر کر!

حقیقت یہ ہے کہ اس راہ میں پہلا قدم ہی ربع مسکوں سے بلند تر افق پر سوچ کو لے جانا ہے-

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں

مکاتیب و آستانوں کا بنیادی مزاج' دنیوی مال و دولت سے بلند نہیں ہو سکا- جبکہ خودی کے تقاضے مختلف ہیں- خودی اپنی ذات میں دنیاوی سہولیات کے مقابلے میں کہیں اعلیٰ شے ہے-

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے' شرر کے عوض!

دنیا داری حرام تو نہیں مگر خودی کے تقاضوں سے متصادم دنیا داری' گوارا بھی نہیں کی جاسکتی-

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

ہم اپنے مادی مقاصد حاصل کرنے کے لئے خودی کو داؤ پر لگا دیتے ہیں- جبکہ حقیقت اور بڑی تلخ حقیقت یہ ہے کہ یہ سودا بھی ناکام ہو جاتا ہے-

ترے بلند مناصب کی خیر ہو یارب
کہ ان کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک!

نام نہاد' بلند مناصب تو کجا' خودی کش سروری بھی ایسی شے ہے جسے مسترد ذکر دیا جائے-

کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے!

حقیقت کی بات کی جائے تو کہنا پڑتا ہے۔ اپنی خودی کو نظر انداز کیا جائے تو کسی اور کی خودی کا غلام ہونا پڑتا ہے۔ بنظر تعمق غور کریں تو یہ کیفیت اصنام پرستی کی ذیل میں آتی ہے۔

حریم تیرا' خودی غیر کی! معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات!

(4)

ہماری خودی مسلمان ہو جائے تو کتنے بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ہماری خودی مسلمان نہ ہو تو ہم کس پست مکان کے مکین بنتے ہیں۔ ان دونوں تذکروں کے بعد یہ ذکر بھی ہو چکا ہے کہ نہ ہماری خودی مسلمان ہے نہ ہم خودی کو مسلمان کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ ہمارے دینی و دنیاوی ادارے اس باب میں بالکل بے اثر ہیں۔ پس ہمارے ہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر خودی کو مسلمان کرنے کا عمل قطعاً نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تعمیر خودی مفقود ہو۔ تو ہماری تمام فتوحات ہمارے لئے ہیچ محض ہیں۔

گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر
وائے صورت گری و شاعری و نائے سرود!

عجیب تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہماری فکر کا مجموعی "حاصل" خودی کی نشوونما کا اہل نہیں۔

ہے شعر عجم گرچہ طربناک و دلاویز
اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز

اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زندگانیاں بالکل بے کار اور ضائع ہو رہی ہیں۔

زندگانی ہے صدف' قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

زندگی کو خودی صیقل کرنے کے باب میں کچھ کرنا ہے تو "لالچ" کو چھوڑ کر "ایثار" کو اپنانا ہو گا۔ تکلفات سے بچ کر سادگی کو شعار بنانا ہو گا۔ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا ہو گی۔

مرا طریق امیری نہیں' فقیری ہے!

خودی نہ بیچ' غریبی میں نام پیدا کر!

یہ فقیری' غریبی اور خودی کی بقا مقتضی ہیں کہ ہماری سادگی- ایثار- اور بلند تر مقاصد کی تڑپ اس درجہ کو جا پہنچے کہ گویا ہماری مادی زندگی بالکل ہی ختم ہو گئی ہے-

یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو' تو نہ سوز خودی' نہ ساز حیات

اپنی مادی زندگی کی قربانی دے کر' بلند تر مقاصد کی طرف متوجہ ہو کر' جس نے خود کو خاکستر کر لیا- تو فنا سے بقا کے سوتے پھوٹتے ہیں- اب اس فقر پر ہر تونگری قربان کی جا سکتی ہے-

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس بندے کی دہقانی پر' سلطانی قربان!

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

یہ طرز حیات' مروجہ ڈگر سے بالکل مختلف ہی نہیں متضاد ہے- پس ناقابل برداشت اور گردن زدنی ہے-

مری خودی بھی سزا کی ہے مستحق لیکن
زمانہ دار و رسن کی تلاش میں ہے ابھی!

ہمارے مروجہ دینی و دنیاوی علوم ہمیں اس منزل اور راہ منزل سے دور تر ہی لئے جاتے ہیں- پس علوم مروجہ سے متاثر نہ ہونے والے' غنیمت ہیں جن پر فاضلان علوم مروجہ قربان کئے جا سکتے ہیں-

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان!
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

ہمیں اس طرز حیات کو' نیم دلی سے نہیں' پورے جذبہ و جوش سے اپنانا ہے-

جس کی اونچی موج نہیں ہے وہ کیسا دریائے!
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان!

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

تکلف برطرف' اس طرز زندگی کو عشق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو کائنات سے فوق ہے۔

مہر مہ و مشتری چند نفس کا فروغ
عشق سے ہے پائیدار تیری خودی کا وجود

اس کیفیت میں ہماری خودی ظاہر و مسلمان ہو جائے تو زہے نصیب !!

فطرت کو دکھایا بھی ہے' دیکھا بھی ہے تو نے
آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!

یاد رہے' ظہور خودی ہو بھی جائے' تو بھی اس کے خوب تر مدارج ہمیشہ ہمارے منتظر ہوتے ہیں۔

جہاں خودی کا بھی ہے صاحب فراز و نشیب!
یہاں بھی معرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب!

خودی مسلمان ہو جائے۔ تو خدا اپنی تقدیر نافذ کرتے ہوئے' صاحب مسلم خودی کو نظرانداز نہیں کیا کرتا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے!

بات اس سے بھی آگے بڑھتی ہے۔ انسان خود کن فیکون کی حقیقت بن کر خدا کا ترجمان ہو جاتا ہے۔

تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہوجا
خودی کا راز داں ہوجا' خدا کا ترجمان ہوجا

خودی مستور ہو تو بعض نتائج پر پہنچتی ہے۔ ظاہر ہو تو مخصوص قول و فعل کا روپ دھارتی ہے۔

تیری خودی کا غیاب' معرکہ ذکر و فکر
تیری خودی کا حضور' عالم شعر و سرود!

یہ عمل انفرادی بھی ہے اور دائمی بھی۔ ہمیں منزل غیاب سے منزل حضور خودی کی طرف پیشقدمی جاری رکھنا ہے۔

جرات ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا

ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے!

اس عمل کے لئے' ہر زمانہ سازگار ہوتا ہے۔ جو اس راہ کو نہ اپنائے' حد درجہ بدنصیب ہے۔

موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان!

(5)

خودی مسلمان ہونے کے فوائد۔ خودی مسلمان نہ ہونے کے نقصانات سامنے آچکے۔ ہمارے دینی و دنیاوی اداروں کا خودی پرور۔ خودی افروز۔ نہ ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ خودی بیدار کرنے کا راستہ بھی الم نشرح ہو گیا یعنی اختیار فقر۔ مگر رسمی طور پر یہ چیز سامنے نہ آئی کہ خودی ہے کیا؟ اس کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ خودی کی واضح معین اور دو ٹوک تعریف کے باوجود ہم اس کی حقیقت سے اس وقت تک بے خبر رہتے ہیں جب تک عملاً خودی کو مسلمان نہ کر لیں۔ خودی مسلمان ہو جائے تو از خود اس کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ پس خودی کی توضیح کتابی و نظری چیز نہیں۔ عملی معاملہ ہے۔ دوسری طرف خودی کی رسمی وضاحت کے بغیر بھی ہم خودی کا ایک اجمالی۔ دھندلا اور غیر واضح سا تصور ضرور رکھتے ہیں جو عملی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ تاہم "سرپرستگان خمار رسوم و قیود" کے لئے حضرت شاعر اسلام اقبالؒ رحمتہ اللہ علیہ نے واضح خطوط دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حیات کا عین' زندگی کے درخت کا بیج اور ہم جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اس کا سرچشمہ۔ منبع اور مرکز ہے۔

خودی کیا ہے؟ راز درون حیات
خودی کیا ہے؟ بیداری کائنات

بالفاظ دیگر۔

وجود کیا ہے؟ فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا!

گویا خودی کا ظاہر محدود مگر حقیقت غیر محدود ہے۔

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اگر ہم خودی کو محدود سمجھیں تو اپنی کوتاہ نظری کا قصور گردانیں۔

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

خودی ہماری تمام تفصیل کا اجمال ہے۔

خودی ہے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے' باقی تمام تفسیریں

خودی کا خدا سے راست تعلق ہے۔ پس یہ تمام کائنات پر فائق ہے۔

خودی شیر مولا' جہاں اس کا صید!
زمیں اس کی صید' آسماں اس کا صید!

لطیف حقائق کو کماحقہ تو کبھی نہیں' البتہ تمثیلوں سے کسی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔ پس ہماری زندگی میں خودی کا وہی مقام ہے جو تلوار میں دھار کا ہوتا ہے۔

یہ موج نفس کیا ہے؟ تلوار ہے!
خودی کیا ہے؟ تلوار کی دھار ہے!

اگر خودی کو تلوار سے تشبیہ دی جائے۔ تو اس تلوار کی دھار کیا ہو گی؟ بلا مبالغہ حقیقت ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

جوہر زندگی ہے عشق' جوہر عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغ تیز' پردگی نیام ابھی!

یہ حقیقت سامنے آچکی ہے۔ کہ خودی روح اسلام ہے۔ مسلمان کا مقصود ہے۔

روح اسلام کی ہے نار خودی' نور خودی
زندگانی کے لئے نار خودی' نور و حضور!

اس مشت خاک میں جب یہ آتش ہمہ سوز پیدا ہوتی ہے۔ تو ہر ماسواء اللہ کو بھسم کر کے ہمیں کیا سے کیا کر

دیتی ہے۔ یہ نتیجہ خود نکالئے۔ مگر یاد رکھئے گردش روزگار کا یہی مقصد ہے۔

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکارا

اس انقلاب کے بغیر ہم "ظلمات" میں ہی رہتے ہیں "نور" میں نہیں آسکتے۔

تری خودی سے ہے روشن تیرا حریم وجود
حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات!

جب مسلمان' تفرقے مٹا کر' یکجا ہو کر' اس جانب پیش رفت کریں گے۔ تو خدائی کریں گے۔

"قوموں" کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی!

جو خودی کے اس مقام سے آگاہ نہیں وہ زمانے سے واقف نہیں ہو سکتا۔

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ

حقیقی مسلمان یعنی مومن خودی کی اسی کیفیت کا طالب ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مسلمان اپنے ظاہری اسلام کو اپنے باطن تک لے جائے۔ اپنی خودی کو مسلمان کر لے تو ہی مومن بن سکتا ہے۔

پسند روح و بدن کی ہے وا نمود اس کو
کہ ہے نہایت مومن خودی کی عریانی!

حیرت' صد حیرت' صد ہزار حیرت کہ ہم خودی مسلمان کرنے کے اس اعلیٰ و ارفع مقام سے محض۔ محض اور محض اس لئے محروم ہیں کہ مادی اور فانی جسم کی عارضی اور ناپائیدار لذات سے دامن کشی کرتے ہوئے مصطفویؐ نظام فقر سے گریزاں ہیں۔ **الفقر مخزی** کا نعرہ بلند کرنے والی ہستی سے نسبت قائم کر کے' ہم فقر سے گریزاں ہوں۔ اور مقصود زندگانی اور تسخیر کائنات سے محروم ہوں۔ ناقابل یقین ہے کہ کتنی گھٹیا چیز کی خاطر ہم نے کتنی بڑھیا شے سے محرومی گوارا کر لی۔ جبکہ لذت فقر کے سامنے نشہ ہائے تونگری کی کچھ بھی تو حقیقت نہیں۔ اور لذائذ دنیا ہماری نظر میں کچھ مقام رکھتی بھی ہیں تو اس مقام کا موازانہ خودی سے بھی تو مطلوب ہے۔ کونسی خودی؟ خودی میں کیا ہے جس کی خاطر فقر اختیار کریں؟ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائیؐ
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی!

اب آیئے۔ حضرت اقبالؒ کی خواہش۔ حسرت واستعجاب اور سوال یعنی

خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟

کی طرف' بانداز دگر' آخری نظر ڈالیں۔ اور اسلام۔ قرآن۔ مصطفویتؐ کی مرکزی تلقین کو اپنے دل و دماغ میں بایں طور پیوست کرنے کی کوشش کریں۔ کہ یہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دے۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا!
برنگ بحر ساحل آشنا رہ!
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا!

یہ **تعلی** نہیں۔ خود فریبی نہیں۔ جنت الحمقا نہیں۔ حقیقت اور بڑی واضح۔ الم نشرح اور بین حقیقت ہے۔ کہ خودی مسلمان ہو جائے تو کائنات اپنے جملہ راز ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے۔ نہ انسان خدا کو دیکھنے کا متمنی ہوتا ہے۔ اور نہ ادھر سے "نامکن" کا جواب ملتا ہے۔ بحر وحدت کی غواصی اور مئے توحید سے سرشاری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دوئی کا ہر تصور ختم ہو جاتا ہے۔ جس کی مسلمان خودی' غیوب سے نمود کا روپ دھار لے وہ زمانے کی امامت کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اور اپنی زبان قال سے ہی نہیں زبان حال سے بھی پکار اٹھتا ہے۔

کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی
گیا دور حدیث لن ترانی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی' وہی آخر زمانی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

منظور احمد۔ ناروے

غیر مذہبی باتیں

لالا اسلم بھی ساتھ چھوڑ گیا۔۔۔۔۔ عمر بھر بھلا کون ساتھ دیتا ہے؟؟؟ کوئی جیتے جی چھوڑ جاتا ہے۔ کوئی مر کر توڑ دیتا ہے۔۔۔ یہ ساتھ تو شاید۔۔۔ بنتے ہی ٹوٹنے کیلئے ہیں۔ اس توڑ پھوڑ کا پیش منظر جتنا خوفناک ہے اس سے زیادہ اس کا پس منظر روح فرسا اور درد ناک ہے۔ ہم بڑے خود غرض ہیں۔ خواہش چاہے جسمانی تکلیفوں سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا حاصل کرنے کی ہو یا جذباتی دکھوں اور نفسیاتی الجھنوں کو آسودہ و خوش آئند مرحلوں میں بدلنے کی' خون ضرور بہتا ہے یا بہایا جاتا ہے کبھی اپنوں کا کبھی دوسروں کا' رنگینی داستان کا تقاضا جو بھی ٹھہرا۔۔۔ ساتھ بنتے بنتے برسوں بیت جاتے ہیں' بڑی محنت اور احتیاط سے کام لیا جاتا ہے' لیکن ٹوٹنے میں ذرا دیر نہیں لگتی۔۔۔۔ یہ اگلے مرحلوں کی کشش ہے یا بیتے لمحوں سے بے زاری؟؟ کوئی بتاتا بھی تو نہیں؟؟ عذاب تذبذب کی تاریکیاں ہیں۔ ہر طرف مدتوں سے' اور کوئی نہیں جو علم و یقین کا ایک ننھا سا دیا ہی روشن کر دے؟؟ اسلم خان نے بہرحال اپنا خون بھی جلایا اور قندیلیں جلتی چھوڑ گیا لیکن کب تک؟

(محمد اسلم خان خٹک (لالا) ایک خاصے بڑے پختون حلقے کا ممتاز و محترم شخص' بیسیوں کا محسن و امین راز اور میرا بہت ہی پیارا' مشفق اور مہربان دوست تھا' لیکن۔۔۔۔ دراصل وہ نمائندہ ہے' ایک کردار ہے ہم سب غیر ملکی پاکستانیوں کے جذبات و احساسات کا)۔

"ٹوٹ تو چکا ہی ہوں مدت سے۔۔۔۔ اب عنقریب بکھرنے والا ہوں" میرے حال پوچھنے پر' ہسپتال میں لیٹے' آخری دنوں کی بے چارگی میں کہے گئے یہ بے ساختہ الفاظ' اسکے شکست خوردہ اعصاب اور نامراد توقعات کی بھرپور غمازی کر گئے۔ قرآنی فکر و تدبر کا حامل یہ 50 سالہ منفرد شخص' بظاہر بڑا ہی عجیب و غریب انسان۔ ہم شخصیتوں کا جائزہ عام طور سے سطحی طور پر لیتے ہیں' پس منظر کی گہرائیوں میں اترنا تو دور کی بات ہے ہمارے پاس تو کسی کے قریب بیٹھنے کو بھی وقت نہیں' ہماری یہ عادت ہی نہیں کہ کسی کا حال کبھی سنجیدگی سے بھی پوچھ لیں۔ کس خوف میں مبتلا ہیں ہم؟ اللہ جانے۔ بہرحال ہم عام روشوں کے راہی ہیں' کچی پگڈنڈیوں کی نرم روی کے عادی یہ نازک پاؤں بھلا پہاڑی دروں کے سنگلاخ راستوں کا کیسے تصور کر سکتے

ہیں؟؟ یہ سرحدی پٹھان' یار لوگوں کو ہمیشہ ایک معمہ ہی لگا۔۔۔۔ حالانکہ وہ دراصل پختون اقدار اور آئین نو کا ایک دلکش اور موثر امتزاج تھا' گویا ثبات و تغیر کی ایک سمٹی ہوئی شکل تھا۔ قرآن کریم پر مبنی اپنی پرانی قبائلی اقدار کو اس نے کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا (جس کی اسے بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔) اور یورپ کی ترقی رفتار کا بھی حتی المقدور ساتھ دیا اور مطمئن رہا البتہ ہمیں حیران کر گیا۔ خود پرواز کر گیا اور ہمیں دفن کر گیا گوناگوں سوچوں تلے۔

داغدار اور چھلنی جگر (کینسر زدہ) کے ہاتھوں' 3/4 ماہ سے ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ ہم چند دوست عیادت کیلئے تقریباً ہر روز صبح و شام جاتے' عجیب شب و روز تھے۔۔۔۔ جاتے آتے وقت تو ہم اداس ہو جاتے لیکن اسکی محفل میں ہمیشہ ہشاش رہے۔ تجربہ و دانش کا پیکر وہ شخص' اپنی کوئی بات سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کا اپنا ایک مخصوص انداز رکھتا تھا جسے ادب کی زبان میں فکاہت آمیز تدبر کہتے ہیں۔ وہ دلنشین محفلیں برسوں نہیں بھولیں گیں۔ بستر مرگ سے چمٹ جانے کے باوجود' اسے جب بھی موقع ملا' میرے لیے میری کمزوری اور میری پسندیدہ' اپنی چاہتوں سے مکس خوشبو دار چائے کا اہتمام کرنا کبھی نہ بھولا۔ تکلیف میں بھی دوسروں کا احساس کار ہر مسلماں نیست۔

ہو جائے گی یزداں سے وہیں تیری ملاقات
اے شیخ ذرا محفل رنداں کی طرف چل!

ایک دن وہ بڑے تدریسی موڈ میں بولنے لگا: "قرآن میں آیا ہے کہ کوئی کسان کسی جاگیردار کی زمین میں کام نہیں کرے گا"۔ میں نے حیران ہو کر کہا کہ قرآن میں تو یہ الفاظ کہیں نظر نہیں آئے مجھے؟ کہنے لگے کہ تمہارے دماغ کو چائے کی خوشبو چڑھی ہوئی ہے' فرصت ملے تو سوچنا کہ قرآن کریم ہی میں کہے گئے یہ الفاظ کہ 'کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' کا کیا مفہوم ہے"؟

پھر ایکدوسرے نکتے کی طرف دھیان گیا اور کہنے لگے۔ "تم جو کہتے رہتے ہو کہ انسان مجبور نہیں مختار ہے' یہ غلط ہے!" تھوڑے سے توقف کے بعد پھر بولنے لگے۔ "کم از کم میں جتنے بھی لوگوں سے ملا ہوں اب تک' ان میں اکثریت مجبوروں اور بے چاروں کی تھی' بے بس و بے مراد تھے اکثر ("وہ کیسے؟" میں نے پوچھا کہنے لگا کہ: "کیا تم نے غور کیا ہے کبھی کہ ہماری اکثریت اکثر تہی دست اور بے زبان ہوتی ہے دوسروں کی حوصلہ افزائی کرنے میں' تعریف و توصیف کے دو الفاظ کہنے ہیں؟ اگر یہ کبھی چاہیں بھی تو نہیں کر پاتے' کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ ہم مجبور ہیں یا؟؟؟؟ پھر خود ہی مسکرانے لگے اور کہا:

قرآن پاک سمجھنے کیلئے تھوڑا بہت انسانی نفسیات سے بھی مس ہونا چاہئے ورنہ اسی طرح اوتے بوتے

(الٹے تللوں کو پشاوری زبان میں یہی کہتے ہیں) مارنے لگ جاؤ گے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ جیسا سوچو گے ویسا بولو گے' جیسا دیکھو گی ویسا ہی دکھو گے۔ ہمیشہ کانٹوں ہی پر نظر رکھنے والے بھلا خوشبو کس طرح بکھیر سکتے ہیں؟؟ تب وہ بے چارے مجبور ہو جاتے ہیں۔ پہلے تو انہیں کبھی اچھا سوجھتا ہی نہیں' اگر کبھی حادثتاً" خیال آہی جائے تو ان کے پاس ڈھنگ کے دو میٹھے بول یا الفاظ ہی نہیں ہوتے' اچھے الفاظ کی کبھی پریکٹس کی ہو تب نا؟؟؟ لہٰذا اس لحاظ سے ہماری اکثریت' گونگی نہیں' قطعاً" گونگی نہیں بلکہ بے چاری مجبور ہے کانٹوں کی مانند چبھتے الفاظ کا استعمال کرنے میں' ورنہ خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھتی ہے--- خاموش رہنے کی ایک وجہ اور بھی ہوتی ہے" "وہ کیا؟ "ایک نے جلدی سے پوچھا"۔

"کبھی خود بھی اندازہ لگا لیا کرو" اسلم خان نے برجستہ جواب دیا---- اور بات کو ایک دوسرا رخ دیتے ہوئے کہنا لگا: "حسد بہت سی پیچیدہ بیماریوں کی جڑ ہے۔ قلب و ذہن سے اس زہریلی جڑ کو اکھاڑ پھینکنے کا صرف ایک اور بہت ہی آسان طریقہ موجود ہے لیکن ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی بھی کسی کی ظاہری کشش یا باطنی حسن کی وجہ سے حسد پیدا ہونے لگے تو فوراً اس کے سامنے اس کا کھلے الفاظ میں اور صاف دل سے اظہار و اعلان کر دو' کبھی بھی اپنے آپ کو ذہنی مقروض نہیں محسوس کرو گے اور بالمقابل فریق کو بھی اپنا آپ Focus کرانے میں جو زور لگانا پڑتا تھا چھٹکارا حاصل ہو جائیگا"۔

لالا اسلم کی' برسوں پہلے کی ایک بات یاد آئی کہ ایک دن راہ چلتے کسی نے روک کر اور بڑی حیرانی اور پریشانی میں اچانک پوچھا "لالا! سنا ہے آپ بھی "پرویزی" ہو گئے ہیں؟" برجستہ بولے: "یار یہ "پرویزی" لوگ تو بڑی چیز ہوتے ہیں' میں نے سنا ہے کہ یہ خاصے پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ ہوتے ہیں' عقل و فکر کی بات ہمیشہ قرآن کریم کی روشنی میں کرتے ہیں' میری قسمت میں بھلا یہ مقام کہاں؟ میں تو ایک جاہل سا اجڈ آدمی ہوں۔ ہاں البتہ! میں "منظور" ضرور ہو گیا ہوں' کوئی اعتراض؟؟ اور سنو! "پرویزیوں" کی تو خیر ہے کوئی ڈر خوف نہیں' البتہ منظوریوں کے پاس بھی نہ بھٹکنا' یہ ہپناٹائز کر دیتے ہیں تم اگر چاہو تو دو چار مرتبہ میرے عاجز خانے پر تشریف لانا' اسلمیوں کا فرقہ بڑا پھیل رہا ہے' کہیں تو کھپ جاؤ گے' بہتر نہیں ہے یونہی مارے مارے حیران و پریشانہ گم سم پھرنے سے؟؟؟" اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا' چند ہی ہفتوں کے بعد سے اب تک وہ صاحب' تحریک قرآنی کے واقعتاً سلجھے ہوئے کارکن ہیں۔ نام نہیں ظاہر کرنا چاہتے' کہتے ہیں یار شرم آتی ہے اپنی اس وقت کی جلد بازی اور بے وقوفی پر۔

لالا کے مرنے سے صرف ایک دن پہلے کی بات ہے۔ میں ڈنٹسٹ سے ہوتے ہوئے اسکے پاس ہسپتال چلا گیا۔ تکلیف سے کراہ رہا تھا' مجھے دیکھتے ہی پارہ چڑھ گیا: اتنی جلدی آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ابھی کل صبح

ہی تو فون کیا تھا تمہیں اور تم آج آ بھی گئے؟؟ میں چپ رہا۔ وہ بھی خاموش ہو گیا۔ کمرے کی خاموشی بڑھتی چلی گئی۔ آخر میں' میں نے اپنی صفائی میں چند فقرے کہے۔ میری طرف دیکھا' مسکرایا اور کہا: "تمہارے لئے کھجوریں رکھی ہیں کھا لو!" میں اپنی آنکھوں کی چمک نہ روک سکا۔ پھر بولا: منظور! میں اب بے بس ہو چکا ہوں اور لگتا ہے تمہاری وہ خوشبو والی چائے بھی تمہارے مقدر میں نہیں رہی۔"

خاموشی پھر پھیلنے لگی' درد پھر بڑھنے لگے اور دوریوں کا احساس چھانے لگا۔ یہ بڑا عذاب ہے پردیسی حساس دلوں کیلئے۔ میں نے وہ خوفناک سکوت توڑنے کی کوشش کی: "پاکستان میں کل پھر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں"۔

"قائداعظمؒ کو بلاؤ! "فوراً بلاؤ۔ "جب کبھی بھی ہم قومی و ملکی سطح پر مصیبت یا عذاب خود ساختہ سے دو چار ہوتے ہیں تو فوراً قائداعظمؒ کو پکارنے لگتے ہیں۔ یہ بڑی غلط بات ہے۔ بھلا انہیں پکارنے سے کیا فائدہ؟ ایک تو انہوں نے واپس آنا نہیں کہ قرآن کی رو سے روحیں لوٹا نہیں کرتیں' انکا سفر ارتقائی ہوا کرتا ہے۔ یہ بد روحی فلسفہ محض فلسفہ روسیاہ کے اوتے بوتے ہیں اور کچھ نہیں۔ ورنہ بفرض محال اگر قائداعظمؒ واپس آ بھی گئے تو سوچو کہ ان کے دل پر کیا گزرے گی یہ دیکھ کر کہ جس نسل نو کے پروتار اور شاندار مستقبل کیلئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ یا تو دارا لکفر میں بیٹھا کفار کے آنگن و برتن اپنے آنسوؤں سے دھو رہا ہے اور جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی ان نام نہاد سیاسی لیڈروں اور خود رو مذہبی پیشواؤں کے فکری فساد اور ذہنی انتشار کے پیداہ کردہ خون خرابے کے ہاتھوں باہر' غیر ملکوں کو بھاگنے کیلئے گویا تڑپ رہا ہے۔ کیا یہ منظر دلفریب دکھانے کو بلایا جا رہا ہے انہیں؟؟؟؟"

• "قائداعظمؒ" کے خطاب کے حوالے سے جملہ معترضہ کے طور پر ایک ضروری بات یاد آگئی جو پنجاب ٹیکسٹ بورڈ والوں کے گوش گزار کرانا چاہتا ہوں امید ہے وہ اسے در خور اعتنا فرمائیں گے۔ ابھی چند دن پہلے اردو کی دوسری جماعت کی کتاب میں ایک سبق قائداعظمؒ کے بارے میں نظر سے گزرا۔ ہر جگہ "قائداعظمؒ" کی بجائے صرف "قائد" لکھا گیا ہے۔ سوچ رہا ہوں اس ترکیب کو کیا ارادتاً" نظر انداز کیا گیا ہے یا ذہنی سہو ہو گیا ہے۔۔۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' کہیں پڑھا تھا کہ یہ لقب' خطاب کی صورت اختیار کرتا ہوا شروع سالوں ہی میں آئینی طور پر ان کے نام کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔ لہٰذا تب سے "قائداعظمؒ محمد علی جناح' انکا مکمل سرکاری نام متصور کیا جاتا رہا ہے۔ ذرا توجہ فرمائے! نوازش ہو گی قوم پر آپکی۔ اطلاعاً" عرض ہے کہ قائداعظمؒ کا ترجمہ a great Leader ہے نہ کہ The greatest Leader مسلمانوں کیلئے یقیناً The greatest Leader صرف ایک ہی ہیں' البتہ great Leaders پیدا ہوتے رہیں گے اگر ہم نے چاہا تو (خدا پر چھوڑ دیا تو سب جانتے ہیں

کہ اسکا قانون بڑا اٹل ہے کہ جیسی قوم ویسا لیڈر' تے انوں فیر اللہ ای لاوے۔۔۔۔) گر یہ سوچ کر قائداعظمؒ کی جگہ ہر بار 'قائد' لکھا گیا ہے تو پھر معاف فرمایئے گا یہ ذہنی بیماری تو نہیں کہ سکتا البتہ ذہنی کمزوری ضروری ہے جو بلاوجہ ادھر ادھر بھٹکنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔

"منظور جان ! (اوسلو میں صرف وہی کٹھن تھا جو مجھے ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا) آج دل بہت اداس ہے' اپنا وطن بہت یاد آرہا ہے' گھر کی یاد بہت ستا رہی ہے' اس کمپارٹمنٹ سے بھاگ جانے کو جی کر رہا ہے' آج مرے پاس ہی بیٹھے رہو ! یار مجھے وہیں دفن کرنا میرے اپنوں کے پاس وہاں مجھے کوئی رونے والا تو ہو گا' میرے جنازے کی کوئی رونق تو ہو گی وہاں۔ نہیں چاہئے مجھے یہاں کا کوئی جی دلکش و دلفریب قبرستان' چاہے کتنا ہی گل و گلزار سے بھرپور اور رنگ و مہک سے معمور کیوں نہ ہو' ہے تو یہ پھر بھی پرایا نا؟ مجھے اپنے ہی وطن کی مٹی میں دفن کرنا کہ ٹھیک ہے' ویران سہی' مگر ہے تو اپنی خاک۔ پندار نفس کو کچھ تو تسکین ملے گی چاہے مرنے کے بعد ہی سہی۔ سکون کی نیند تو سو سکونگا۔"

آخری دنوں میں اسکا ذہنی ارتکاز حیران کن طور پر نکھر آیا تھا' لیکن اس کے علاوہ ایک سچے پاکستانی کے ناتے اور مٹی وطن کے حوالے سے اس کے خاک رسیدہ جذبات بار بار ابھرتے اور اڑ اڑ کر بکھرتے رہے۔ وطن سے دوری و جدائی کا 20 سال کا عرصہ ایک خاصی مدت ہوتی ہے۔ بچپن و جوانی کے وہ مہ و سال اور ان سے منسلک معصوم و دلگداز یادیں' کس قدر جگر فگار ہوتی ہیں یہ کوئی ہم سے پوچھے۔ کہنے لگا : "منظور جان ! (اسلوب انتہائی جذباتی ہو رہا تھا) گذشتہ چند مہینوں سے مجھے میرے گھر والے ایک ایک کر کے بہت یاد آرہے ہیں۔ ماں باپ' بہن بھائی' رشتہ دار اور یار دوستوں کی یادیں ہر وقت قلب و ذہن میں ہلچل برپا کئے رکھتی ہیں۔ چہرے اور واقعات تو کیا' ان سبکی باتیں تک یاد آرہی ہیں۔ میرے ماں باپ میرے جوان ہونے کا انتظار کرتے رہے اور میں انہیں ضعف و احتیاج میں چھوڑ یہاں چلا آیا؟ میری بہنوں کی بن چوڑیاں باہیں یونہی اٹھی کی اٹھی رہ گئیں اور میں اپنے ہی ہاتھوں کو مضبوط کرنے کی دھن میں یہاں غرق رہا' میرے بھائی' اف یہ چھوٹے بھائی ! بڑا بھائی ان کے لئے کتنا بڑا' مضبوط اور وجہ کبریائی و باعث افتخار اور اٹل سہارا ہوتا ہے' کسی پاکستانی کے چھوٹے بھائیوں سے پوچھو ! میرے بھائی ساری جوانی یتیم اور خوفزدہ رہے اور میں یہاں غیروں کے نام نہاد معمولی سے تحفظ کے سراب کے پیچھے ساری عمر اندھا دھند بھاگتا رہا؟ میرے یار دوست؟ 'ہمیں ہمارے ساتھ رہو!' ، 'محفل کیوں اجاڑتے ہو؟' 'جاتے ہو تو ہمیں بھی ساتھ لے چلو!' کے عنوانات۔۔۔۔۔ یونہی خالی اوراق کیطرح اڑتے و بکھرتے اور بچھڑتے رہے اور میں؟ میں بھی تو تنہا ہو گیا تھا نا؟؟" مضبوط چٹان میں دراڑیں پڑ گئیں اور چشمے پھوٹ نکلے۔۔۔۔۔ "ہم نے ملک سے باہر آکر اور صرف

ایک روٹی کی خاطر معلوم نہیں کیا کیا ظلم اور اپنے علاوہ کس کس پر ستم کر ڈالا۔ ہم نے کیا کھویا' کیا پایا؟ یہ فہرست نہ تم تیار کر سکتے ہو نہ میں اور نہ ہی کوئی مورخ یا حساب دان۔ ہم نے کیا کھویا' کیا پایا؟ اسکی درست اور مکمل فہرست--- پاکستان کی کسی گنجان آباد گلی کی رہنے والی غریب' لیکن بھرے گھر کی خوبصورت نوجوان لڑکی ہی بنا سکتی ہے جسے--- محض روٹی اور نام نہاد معاشرتی تحفظ کی خاطر کسی 40 سالہ ٹھیکیدار کے ساتھ جبراً بیاہ دیا گیا ہو-----"

؎ سانسوں کے سلسلے کو نہ دو زندگی کا نام
جینے کے باوجود-- بہت لوگ مر گئے

اسکے جذبات کی انتہا کی مانند' اب شام بھی گہری ہو رہی تھی----- کچھ دیر آہ و سانس لینے کے بعد پھر بولنے لگا: "یار منظور! میرے پہلے دو بچے تو خیر قدرے سمجھ دار ہو ہی گئے ہیں لیکن چھوٹے وصال کا خیال بہت ستاتا ہے' وہ ابھی صرف 7 سال کا ہے اور مجھ سے ضرورت سے زیادہ مانوس بھی۔ سوچتا ہوں کہ اے کاش! مجھے صرف 5 سال اور مل جائیں تاکہ کسی حد تک اسکی تربیتی اور جذباتی ضرورتیں تو پوری کر سکوں اور اس طرح اپنے اخلاقی اور پدری فرائض کا کچھ تو کفارہ ادا کر جاؤں۔ میں تو دنیا کے میلوں جھمیلوں میں انہیں وہ وقت اور پیار ہی نہ دے سکا جو انکا مجھ پر اولین حق تھا۔ میں نے انکی بڑی ہی حق تلفی کی ہے" خدا سے زیادہ اپنے آپ سے شرمندہ ہوں۔ منظور! میرے بچوں کا خیال رکھنا! وہ تجھ سے پیار بھی کرتے ہیں اور تیرا احترام بھی بہت کرتے ہیں۔ تمہارے پاس پڑھنے آتے ہیں' انہیں بہت پڑھانا' خوب لائق کر دینا۔ میں ہمیشہ تمہارا مقروض رہا ہوں' قیامت تک تیرا مقروض ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میرے بچوں کو قرآن پڑھانا تو کبھی مت بھولنا' لیکن----- پشتو میں سمجھانا' جلدی سمجھ جائیں گے۔ وہ ثانی صاحب کدھر ہیں؟ انہوں نے پشتو میں سلسلہ درس قرآن شروع کیا تھا' انہیں کہو نا کہ اسے جاری رکھیں' یہ ان پر ہمارا اور ہمارے بچوں کا قرض ہے۔ انہیں یاد دلانا کہ پٹھان پہلے تو قرض اٹھایا نہیں کرتے' اٹھا لیں تو جلد اتار بھی دیا کرتے ہیں' انہیں میرا ہاتھ جوڑ کر سلام کہنا۔" وہ خاموش ہو گیا۔ مجھ سے کچھ کہا نہ گیا' صرف یہ کہ: "لالا! اچھا اب میں چلتا ہوں' کل آؤنگا" میں اسے خدا حافظ کہے بغیر چلا آیا---- کچھ کیفیات ایسی بھی ہوتی ہیں جنکے اظہار کیلئے الفاظ بھی یتیم سے لگتے ہیں۔

اسی رات (رمضان کی پہلی سحر) پونے 6 بجے فون کی گھنٹی بجی۔ "منظور جان! جلدی آجاؤ! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' ٹیکسی پکڑ لو' بس پندرہ منٹ میں پہنچ جاؤ!" درد اور بے چینی کی ایک گونجتی صدا تھی' جو دوبارہ پھر نہ ابھر سکی۔ میں' اجمل خان' بشیر خان اور اسکا چھوٹا بھائی زمان خان (جو امریکہ سے اسے

چند دن پہلے ملنے آیا تھا) فوراً ہسپتال پہنچ گئے۔ ہمیں صرف دیکھ سکا' بول نہیں پا رہا تھا' سخت تکلیف اور شدید گرمی محسوس کر رہا تھا حالانکہ باہر برف کی بارات------ اتر رہی تھی اور دور تک------ ہم نے بہت بلایا' پھر بھی نہ بولا' چہرے پر بے بسی اور تلخی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے' میں سمجھا شائد خفا ہے' غصے میں ہے۔ میں نے ہمت کی حالانکہ خود میرا گلہ بند ہو رہا تھا" خفا کیوں ہو رہے ہو؟ ہم تو 15 منٹ سے پہلے پہنچ گئے ہیں تیرے پاس' بولو تو سہی؟؟ جاناں ! دیکھو ! میں آگیا ہوں' میں منظور ہوں' میری طرف دیکھو !!!" اس نے بڑی مشکل سے پلکیں اوپر اٹھائیں' ہمیں دیکھا اور چپکے سے نزاع کے عالم میں چلا گیا۔

؎ روٹھا ہی رہے مجھ سے' یہ منظور ہے لیکن
یارو! اسے سمجھاؤ! میرا شہر نہ چھوڑے

لیکن اس نے بھلا کب رکنا تھا۔ اچانک دانعدار جگر شق ہوا' منہ سے خون کی ایک لکیر پھوٹی اور ساری فضا کو لہو لہان کر گئی------ لالا چلا گیا------ یادوں کی بارات لئے۔ وقت یک لخت ٹھہر گیا۔ رنگ آلود فضا' سسکیوں کے احترام میں چپ ہو گئی۔ ایسا لگا جیسے وہ سکوت نہیں تھا ایک سکون تھا--- ہر طرف۔ میں کمرے کی گیلری کی طرف نکل گیا۔ برف کا نزول رک چکا تھا۔ رمضان کی پہلی سحری کیلئے جگانے والا لوٹ چکا تھا۔ نمود سحر پھوٹ رہی تھی۔ وہ اور ہم سب اسی---- نور سحر---- کے منتظر ہیں---- اوہ ! میرے خدا !

؎ سحر بھی آئی' تو لائی اسی چراغ کی موت
جو ساری رات سسکتا رہا سحر کیلئے

اشفاق و احساس کا نمایاں پیکر !

اپنی رخصتی---- کے وقت' وہ مجھے نہ بھی بلاتا' نہ بھی بتاتا' نہ ٹیلی فون کرتا' تو کیا میں نے اس سے کوئی گلہ کرنا تھا؟؟ میں تو بہرحال اس کا ایک غیر' غریب اور غیر مفید ایک عام دوست تھا' ایسے لوگوں کو بھلا کون پوچھتا ہے؟؟؟؟ پھر بھی اس نے مجھے بلا لیا؟؟ اپنوں سے بھی پہلے' مجھے فون کر کے کیا احساس دلا گیا وہ شخص؟؟ میں نے آخری دفعہ آتے وقت خدا حافظ نہیں کہا تھا' کیا یہ احساس دلانا چاہا تھا؟؟؟ یا---- اپنائیت کا احساس؟؟؟

؎ وہ قرب کے لمحات اگر بھول بھی جائیں
برسوں ہمیں تڑپائے گی-- احساس کی خوشبو

دوسرا حصہ

عورت قرآن کے آئینے میں

(علامہ غلام احمد پرویزؒ)

(مضمون کا پہلا حصہ "عورت روایات کے آئینے" میں ستمبر 1994ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے۔
گذشتہ سے پیوستہ دوسرا حصہ "عورت قرآن کے آئینے میں" اس شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ایڈیٹر)

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (4/34)

پہلے حصہ میں بیان ہو چکا ہے کہ عورتوں کو مارنے پیٹنے کی تائید میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کا قرآنی مفہوم سامنے لایا جائے۔ یہ پوری آیت اور اس کا مروجہ ترجمہ یوں ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۔ (4/34)

اس آیت کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے بہ سبب اس کے کہ بزرگی دی اللہ نے بعضے ان کے کو اوپر بعض کے۔ اور بہ سبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے' پس نیک بخت عورتیں فرماں بردار ہیں۔ نگہبانی کرنے والی ہیں۔ بیچ غائب کے ساتھ محافظت اللہ کے۔ اور جو عورتیں کہ تم ڈرتے ہو چڑھائی ان کی سے۔ پس نصیحت کرو ان کو' اور چھوڑو ان کو بیچ خوابگاہ کے' اور مارو ان کو۔ پس اگر کہا مانیں تمہارا پس مت ڈھونڈو اوپر ان کے راہ تحقیق اللہ ہے بلند بڑا۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

اب اس آیت کے قرآنی مفہوم کی طرف آیئے۔

آیت کا صحیح مفہوم

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس آیت میں میاں اور بیوی کے متعلق بات نہیں ہو رہی۔ **الرجال** (مردوں) اور **النساء** (عام عورتوں) کے متعلق بات ہو رہی ہے' اس لئے یہاں گفتگو یہ ہے کہ معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کے فرائض مفوضہ کیا ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے طبیعی فرائض کی سرانجام دہی کی وجہ سے اکثر اوقات اکتساب رزق سے معذور ہو جاتی ہیں۔ ان کے برعکس مردوں کا سارا وقت اس کے لئے فارغ ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن نے تقسیم کار کے اصول کے مطابق' مردوں کا فریضہ یہ بتایا کہ وہ **قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ** ہیں۔ لغت میں **قام الرجل علی المراۃ** کے معنے دیئے ہیں۔ **مانها** یعنی اس نے روزی مہیا کی۔ **قوام علیها** کے معنی ہیں **مائن لها**۔ یعنی اس کی روزی مہیا کرنے والا۔ اس سے آیت کا مفہوم واضح ہو گیا۔ **اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ** یعنی معاشرہ میں مردوں کے ذمے یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لئے اکتساب رزق کریں۔ اس لئے کہ (**بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ**) تقسیم کار کے اصول کی بنا پر ایک قسم کی استعداد مردوں کو زیادہ دی گئی ہے اور دوسری قسم کی استعداد عورتوں کو۔ اور چونکہ مردوں کا سارا وقت اکتساب رزق کے لئے فارغ ہوتا ہے اور عورتیں اس سے اکثر اوقات معذور ہو جاتی ہیں' اس لئے مردوں کا کمایا ہوا رزق' عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ (**بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ**) اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی ___ (**فَالصّٰلِحٰتُ**) اور انہیں فراغت نصیب ہو جائے گی کہ وہ اپنی خاص صلاحیتوں کو اسی مصرف میں لائیں جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں۔ یہ معنی ہیں **قٰنِتٰتٌ** کے۔ **سقاء قنیت** اس مشکیزے کو کہتے ہیں جس میں پانی بھرنے کے بعد' اسے اس طرح اچھی طرح سی کر بند کر دیا جائے کہ وہ اپنا پانی محفوظ رکھے۔ راستے میں کہیں نہ گرائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں اس کا منہ کھل سکے۔ اگر عورتوں کو اکتساب رزق کرنا پڑے تو جس مقصد کے لئے انہیں خاص صلاحیتیں دی گئی تھیں وہ مقصد پورا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد دو لفظوں میں اس نکتہ کو اور بھی واضح کر دیا جب فرمایا کہ **حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ** ___ یعنی جب اللہ کے قانون نے اس طرح ان کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا تو انہیں اطمینان اور فرصت مل گئی کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے۔ (یعنی جنین کی حفاظت)۔

یہاں دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن' عورتوں کے خصوصی فرائض اور ان سے متعلقات

امور کا تذکرہ نہایت سنجیدہ استعاروں میں کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے مروجہ تراجم اور تفاسیر کی رو سے بات یوں بیان کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم اور داروغہ ہیں کیونکہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ (ان کے برعکس) نیک بیویوں (**فَالصّٰلِحٰتُ**) کا شیوہ یہ ہے کہ وہ فرماں بردار (**قٰنِتٰتٌ**) ہوتی ہیں اور مرد کی غیر حاضری میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔ یعنی مردوں کا کام یہ ہے کہ عورتوں پر حکومت کریں۔ اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ مردوں کی فرمانبرداری اور عصمت کی حفاظت کریں۔ گویا **صٰلِحٰتُ** اور **قٰنِتٰتُ** اور **حٰفِظٰتٌ** ہونا صرف عورتوں کے لئے ہے۔ حالانکہ قرآن نے سورہ احزاب (33/35) میں یہ سب خصوصیات مردوں اور عورتوں دونوں میں مشترکہ طور پر بیان کی ہیں۔ اس لئے اگر احکام الہیہ کا "فرمان بردار" ہونا عورت کے لئے ضروری ہے تو قرآن کی رو سے مرد کے لئے بھی ضروری ہے۔ لہٰذا یہ مفہوم کہ مرد کمانے اور حکومت کرنے کے لئے ہیں' اور عورتیں' مردوں کی فرمانبرداری کرنے کے لئے' اس اعتبار سے بھی غلط ہے۔ مرد اور عورت کا باہمی تعلق رفاقت کا ہے اور رفاقت میں ایک کی حکومت اور دوسرے کی فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق (زوج) ہوتے ہیں اور قانون خداوندی کی اطاعت کرنے والے خود لفظ (زوج) میں مکمل موافق اور کامل رفاقت کا مفہوم پنہاں ہے۔

عورتوں کو مارنا

اب آگے بڑھئے۔ آیت کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے۔ **وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ** چونکہ ہماری تفسیروں میں یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ مرد کا کام عورت پر حکومت کرنا اور عورت کا کام مرد کی فرمانبرداری ہے' اس لئے باقی ماندہ آیت کا مفہوم' اسی کی تائید میں' یہ لیا گیا کہ اگر بیوی' مرد کی فرمانبرداری نہ کرے تو وہ پہلے اسے سمجھائے بجھائے' پھر اس سے باہمی تعلقات منقطع کر لے۔ اور اس پر بھی کام نہ چلے تو اسے مارے' پیٹے۔

لیکن' جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی' عام مردوں اور عورتوں کے فرائض کے متعلق ہو رہی ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول کے مطابق' مردوں کا فریضہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اکتساب رزق کریں اور عورتیں' رزق کی طرف سے یوں مطمئن ہو جانے کے بعد اپنے خصوصی وظائف حیات کو بطریق احسن سرانجام دیں۔ اس کے بعد کہا گیا کہ اگر عورتیں ان انتظامات کے باوجود (جن کی رو سے وہ اکتساب رزق کی طرف سے مطمئن ہو جاتی ہیں) معاشرہ کے اس نظم اور تقسیم کار کے اصول سے بلا عذر سرکشی اختیار کریں (جیسا کہ آج کل یورپ کے بعض ممالک میں ہو

رہا ہے) تو معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی فوضویت (ANARCHY) کو روکے۔ اس لئے کہ اگر عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں' بلاعذر' اپنے فرائض کو چھوڑ دیا تو نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا۔ اس لئے کہا گیا کہ معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ پہلے تو اس قسم کی ذہنیت رکھنے والی عورتوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ ان کی یہ روش معاشرہ کے لئے کس قدر تباہی کا موجب ہے۔ اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ ایک قسم کی نظر بندی .... (INTERNMENT) کی سزا ہو گی۔ اور اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا (CORPORAL PUNISHMENT) بھی دی جا سکتی ہے۔

واضح رہے کہ عورت کو نسل کشی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مقصد اس ارشاد خداوندی کا یہ ہے کہ نسل کشی کے خلاف سرکشی کی تحریک نہ پیدا ہونے دی جائے۔

یہاں ضمناً یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن کریم نے اسلامی نظام کے لئے مملکت کا وجود **لابدّ** قرار دیا ہے۔ لیکن اس نے مملکت - حکومت - نظام عدل اور اس کی جزئیات - عدالت وغیرہ اصطلاحات استعمال نہیں کیں۔ چونکہ وہ نظام مملکت کی ذمہ داری تمام امت کے سر پر ڈالتا ہے اس لئے وہ ان تمام امور کی سرانجام دہی کے لئے (جو آج کل حکومت کے مختلف شعبوں کی طرف سے سرانجام دیئے جاتے ہیں) صرف کم (تم) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یا (ہم) کا لفظ۔ مثلاً وہ سراقہ کی سزا کے لئے کہتا ہے کہ **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا** ..... (5/38) "تم سارق مرد اور سارقہ عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔" ظاہر ہے کہ سرقہ کے ملزموں کا مقدمہ عدالت میں پیش ہو گا۔ جرم ثابت ہونے پر سزا کا فیصلہ بھی عدالت کی طرف سے ہو گا' اور اس سزا پر عمل درآمد حکومت کی انتظامیہ کی طرف سے' لیکن قرآن کریم نے نہ عدالت کا ذکر کیا ہے' نہ انتظامیہ کا۔ صرف "تم" کہا ہے۔ "تم" سے مراد یہ نہیں کہ معاشرہ میں ہر ایک (یا مستغیث) کو اس کا حق حاصل ہو گا کہ وہ خود ہی چور کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اس سے واضح ہے کہ آیہ زیر نظر (4/34) میں مردوں (خاوندوں) کو اس کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ بیویوں کو پیٹنا شروع کر دیں۔ ایسا فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہو گا۔

یہ ہے صحیح مفہوم اس آیت کا جس کی رو سے ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ خاوند اپنی بیویوں پر حاکم اور داروغے ہیں اور انہیں حق حاصل ہے کہ وہ بیویوں کو اپنا محکوم اور مغلوب رکھیں۔ قرآن تو کسی انسان کو بھی اس کا حق نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے۔

مرد اور عورت ہمدوش

قرآن کریم نے انسان ہونے کی جہت سے کس طرح مردوں اور عورتوں کو یکساں مقام پر رکھا ہے' اس کے متعلق اصولی طور پر گفتگو مقالہ کے آخیر میں کی جائے گی۔ اس مقام پر چند ایک آیات درج کی جاتی ہیں' جن سے واضح ہو گا کہ قرآن کریم کس طرح' مصاف زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں' مردوں اور عورتوں کو ہم دوش اور ہم قدم قرار دیتا ہے۔ مثلاً اس نے سورہ احزاب میں کہا ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (33/35)

"اگر مردوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ قانون خداوندی کی اطاعت سے اپنی ذات کی تکمیل کر سکتے ہیں تو عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے۔ (**المسلمین والمسلمت**) _ اگر مرد اس پارٹی (جماعت) کے رکن بن سکتے ہیں جو خدا کے قانون کے اٹل نتائج پر یقین رکھتے ہوئے امن عالم کی ذمہ دار ہو تو عورتیں بھی اس جماعت کی اسی طرح رکن ہو سکتی ہیں۔ (**المومنین والمومنت**)۔ اگر مردوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی استعداد کو اس طرح سنبھال کر رکھیں کہا ن کا استعمال صرف قانون خداوندی کے مطابق ہو تو یہی صلاحیت عورتوں میں بھی ہے (**والقنتین والقنتت**)۔ اگر مرد اپنے دعوی ایمان کو سچ کر دکھانے کے اہل ہیں' تو عورتیں بھی اس کی اہل ہیں (**والصدقین والصدقت**)۔ اگر مرد ثابت قدم رہ سکتے ہیں تو عورتیں بھی رہ سکتی ہیں (**والصبرین والصبرت**)۔ اگر مرد اس خصوصیت کے حامل ہو سکتے ہیں کہ جوں جوں ان کی صلاحیتیں بڑھتی جائیں' وہ شاخ ثمردار کی طرح قانون خداوندی کی اطاعت میں جھکتے چلے جائیں' تو یہ خصوصیت عورت میں بھی ہے (**والمتصدقین والمتصدقت**)۔ اگر مرد اپنے آپ پر ایسا کنٹرول رکھ سکتے ہیں کہ انہیں جہاں سے روکا جائے وہ رک جائیں تو عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے۔ (**والصئمین والصئمت**)۔ اگر مرد اپنے جنسی میلانات کو ضوابط کی پابندی میں رکھ سکتے ہیں تو عورتیں بھی ایسا کر سکتی ہیں۔ (**والحفظین فروجھم والحفظت**)۔ اگر مرد قانون خداوندی کو شعوری طور پر سمجھنے اور اسے ہر وقت پیش نظر رکھنے کے اہل ہیں تو عورتوں میں بھی اس کی اہلیت ہے۔ (**والذکرین اللہ کثیرا**

والنکرات)- جب یہ صلاحیتیں' دونوں میں موجود ہیں تو ان کے نتائج بھی دونوں کے لئے یکساں طور پر موجود ہونے چاہئیں- فلہذا نظام خداوندی میں دونوں کے لئے حفاظت کا سامان اور اجر عظیم موجود ہے- **(اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجرا عظیما-**

قرآن کی ان تفاصیل پر غور کریں اور پھر سوچیں کہ زندگی کا وہ کونسا گوشہ ہے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ مرد میں تو اس کی صلاحیت ہے اور عورت میں نہیں- مرد تو یہ کچھ کر سکتا ہے اور عورت نہیں کر سکتی- مرد تو یہ کچھ بن سکتا ہے لیکن عورت نہیں بن سکتی- یہی وجہ ہے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ مرد اور عورت دونوں کے صلاحیت بخش اعمال نتیجہ خیز ہوں گے اور دونوں دوش بدوش جنت میں داخل ہوں گے- گھر کی جنت میں' معاشرے کی جنت میں اور پھر اس زندگی کے بعد' اگلی زندگی کی جنت میں **وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى- وَ هُوَ مُؤْمِنٌ- فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا** (4/124)_ ان میں سے کسی کے کام کا نتیجہ ضائع نہیں ہو گا- **لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى** (3/194)

اس میں شبہ نہیں کہ تقسیم کار کے اصول کے مطابق زندگی کے کچھ وظائف ایسے ہیں جو عورتوں کے لئے مختص ہیں- (مثلاً جنین کی حفاظت' بچہ کی پرورش اور ابتدائی تربیت وغیرہ) اس کے لئے اس کی جسمانی ساخت کے بعض گوشے بھی مردوں سے مختلف ہیں اور نفسیاتی طور پر بھی بعض ایسی منفرد خصوصیات' جو اس کے ان فرائض زندگی کی ادائیگی کے لئے معاون بن سکیں- مثلاً بچے کے لئے محبت اور پیار کا جذبہ اور ایثار و قربانی کی صلاحیت - ایثار اس قسم کا کہ' جنین' ماں کے خون سے مترتب ہوتا ہے- اس کی پیدائش کے بعد اس کی پرورش کا انحصار ماں ہی کے عطا کردہ رزق (دودھ) پر ہوتا ہے- ماں میں سہارا اور برداشت کا مادا اس قدر فراواں ہوتا ہے کہ وہ بچے کے ہر قسم کے تقاضہ کو نہایت تحمل اور خندہ پیشانی سے پورا کئے جاتی ہے اور اس کے لئے اس سے کسی صلہ یا معاوضہ کی متمنی نہیں ہوتی- یہ' اور اس قسم کی دیگر خصوصیات ہیں جن میں عورت منفرد ہوتی ہے- لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں زندگی کے دوسرے گوشوں میں کارفرمائی کی صلاحیت نہیں ہوتی- قرآن کریم نے امت مسلمہ (مملکت اسلامیہ) کا سب سے اہم فریضہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے- اس میں اس نے مرد اور عورت دونوں کو برابر کا شریک ٹھہرایا ہے- سورۃ توبہ میں ہے-

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ (9/71)

"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہیں- یہ دونوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں- نظام صلوۃ قائم کرنے اور زکوۃ دہی کا اہتمام کرتے ہیں- یعنی یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں- یہ وہ ہیں جنہیں اللہ اپنی رحمتوں کے سایہ عاطفت میں رکھے گا اور یہ سب اس کے بے پایاں قوت و حکمت کی رو سے ہو گا-"

واضح رہے کہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" وعظ و نصیحت کا نام نہیں- یہ حکومت کا فریضہ ہے- سورۃ الحج میں ہے کہ

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ○ (22/41)

"یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں حکومت حاصل ہو گی تو یہ اقامت الصلوۃ اور ایتاء زکوۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں گے- اور تمام امور کا آخری فیصلہ قوانین خداوندی کی رو سے ہو گا-"

اب ظاہر ہے کہ جب آیت (9/71) میں' مردوں اور عورتوں' دونوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے' تو ظاہر ہے کہ عورتیں بھی امور مملکت میں برابر کی شریک ہو سکتی ہیں-

حقوق و فرائض

جہاں تک مردوں (خاوندوں) اور عورتوں (بیویوں) کے حقوق و فرائض کا تعلق ہے' قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کو چار الفاظ میں اس جامعیت سے سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ بصیرت اس پر وجد کرتی ہے- فرمایا:-

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ..... (2/228)

"جس قدر عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں اسی قدر ان کے حقوق ہیں-"

یعنی جو ذمہ داری بھی ان پر عائد کی جائے' اس کے مقابل میں ان کا ایک حق ثبت ہو جاتا ہے ___ ہر

ذمہ داری کے مقابل ایک حق ___ فرمایئے ! اس سے بڑھ کر مساوات کیا ہو سکتی ہے؟

لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہون گے کہ وہی آیت جس کی رو سے قرآن کریم نے عورت اور مرد کے حقوق اور فرائض کو یکساں قرار دیا ہے' یہ حضرات اسے اپنے اس دعوے کے ثبوت کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ مردوں کے مدارج عورتوں کے مقابلہ میں بلند ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی دلچسپ بھی ہے اور حسرت آمیز بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** کے بعد ہے **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** ..... (2/228) جس کے (ان کے نزدیک) معنی ہیں۔ "مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔" یا یہ کہ مردوں کے درجات عورتوں کی بہ نسبت بلند ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور فرائض ایک جیسے ہیں۔ لیکن مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے تو یہ کھلا ہوا تضاد ہو گا۔ اگر ان کے حقوق و فرائض مساوی ہیں تو پھر ایک جنس کو دوسری پر فضیلت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ اور ایک کے درجات بلند کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم نے **درجته** (/) کہا ہے جس کے معنی ایک درجہ کے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ ایک درجہ کیا ہے جو عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو حاصل ہے۔ اس کا جواب پوری آیت سامنے لانے سے مل جاتا ہے۔ آیت یوں ہے۔

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (2/228)

"طلاق یافتہ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو (نکاح ثانی کے لئے) تین حیض کے عرصہ تک روکے رکھیں (جسے عدت کی مدت کہتے ہیں) ..... (اس کے بعد عدت کی تفصیلات دی گئی ہیں اور پھر کہا گیا ہے کہ) یہ ایک بات ہے جس میں عورت کے مقابلہ میں مرد کی پوزیشن ایک گونہ (ADVANTAGEOUS) ہے۔ یعنی عورت کے لئے عدت ہے۔ مرد کے لئے عدت نہیں۔ ورنہ' قانون خداوندی کی رو سے مرد اور عورت کے حقوق اور فرائض یکساں ہیں۔"

یہ ہے وہ آیت جس کی رو سے دعوی کیا جاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر افضلیت حاصل ہے۔ مردوں اور عورتوں کی مساوات کے خلاف دو اعتراضات اور بھی کئے جاتے ہیں۔ یعنی:۔

(1) وراثت میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے۔ اور

(2) شہادت کے لئے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

وراثت میں لڑکی کا حصہ

جہاں تک وراثت کا تعلق ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ (ملاحظہ ہو 11/4) جیسا کہ بتایا جا چکا ہے' قرآن کریم کی رو سے ایک ایسا معاشرہ قائم ہوتا ہے جس میں اکتساب رزق کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے ذمے ہوتی ہے کیوں کہ ان فرائض و واجبات کی ادائیگی سے جو بنیادی طور پر عورت کے ذمے ہوتے ہیں' عورت کو بالعموم اتنی فرصت نہیں مل سکتی کہ وہ اکتساب رزق کا بوجھ اٹھا سکے۔ اب ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں اکتساب معاش کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے سر پر ہو اس میں معاشی اسباب کی تقسیم میں مرد کا حصہ یقیناً زیادہ ہونا چاہئے۔ یہ وجہ ہے کہ ترکہ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رکھا گیا ہے۔ لڑکیوں کے ذمہ نہ اپنے اخراجات کی کفالت ہوتی ہے نہ اپنے خاندان کے رزق کی کفالت۔ اس کے برعکس' لڑکے نے اپنے لئے بھی اکتساب رزق کرنا ہوتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے بھی۔ اس لئے اسے زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔ جہاں ایسی صورت نہیں وہاں عورت کا حصہ مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ (1/6) یا کلالہ کی صورت میں بہن اور بھائی میں سے ہر ایک کا حصہ (1/6)۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید نے کلیہ کے طور پر عورت کا حصہ مرد سے نصف رکھا ہے۔

عورتوں کی گواہی

دوسرا اعتراض ہے شہادت کے متعلق۔ سورۃ بقرہ میں آیت نمبر 282 میں ہے کہ جب تم آپس میں قرضہ کا معاملہ کرو تو اسے ضبط تحریر میں لے آؤ اور اس پر دو مرد بطور گواہ بلا لیا کرو۔ اس سے آگے ہے..... **فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ** کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو بطور گواہ بلا لیا کرو۔ دو عورتیں کیوں بلائی جائیں' اس کی علت قرآن نے یہ کہہ کر خود ہی بیان کر دی ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى .....

عام طور پر اس آیت کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ دو عورتوں کی اس لئے ضرورت ہے کہ "ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔"

ضلال کے بنیادی معنی ہیں' بات کا مبہم یا غیر واضح سا ہو جانا۔ ذہن میں الجھاؤ سا پیدا ہو جانا۔ واضح

تر الفاظ میں (TO GET CONFUSED OR BECOME PERPLEXED _ اس لفظ کی وضاحت کے بعد اب اصل آیت کی طرف آیئے۔ اس آیت سے یہ سوال اٹھائے جاتے ہیں کہ

(1) ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کو کیوں ضروری قرار دیا گیا۔ اور

(2) یہ بات خصوصیت سے عورتوں کے متعلق کیوں کہی گئی کہ اگر ان میں سے ایک کو کچھ الجھاؤ سا پیدا ہو جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے؟

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ قرآن کے نزدیک عورتیں مردوں کے مقابلہ میں کم قابل اعتماد ہیں اور ان میں ذہنی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے۔

جہاں تک قابل اعتماد ہونے کا تعلق ہے' قرآن نے شہادت میں مردوں کے لئے بھی دو کی شرط عائد کی ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ قرآن مردوں کو بھی قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ اسی لئے ایک کو کافی نہیں سمجھا گیا۔ ایک کے ساتھ دوسرے کی شہادت بھی ضروری قرارا دی گئی ہے؟ لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا مقصود یہ نہیں کہ ایک مرد قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک کے بیان میں سہو یا سقم رہ جائے تو دوسرے کے بیان سے اس کی کمی پوری ہو جائے۔ یعنی اس سے ایک امکانی احتمال کی قانونی روک تھام مقصود ہے۔ مردوں کے متعلق یہ فتوی دینا مقصود نہیں کہ مرد قابل اعتماد نہیں ہوتے اس لئے ان میں سے کسی ایک (تنہا) کی شہادت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی مقصود شہادت کی توثیق (پختہ کرنا) ہے' نہ کہ مردوں کے ناقابل اعتماد ہونے کا اعلان۔

اسی طرح' جب قرآن نے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو ضروری قرار دیا ہے تو اس سے بھی یہ مقصود نہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں کم اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتیں ضروری ہیں۔ یہاں بھی مقصود ایسا طریقہ اختیار کرنا ہے جس سے شہادت زیادہ سے زیادہ یقینی ہو جائے۔ ورنہ جہاں تک مردوں اور عورتوں کے تقابلی (COMPARATIVE) اعتماد کا تعلق ہے' قرآن نے دونوں کو ایک ہی حیثیت دی ہے۔ مثلاً قرآن میں جہاں **لعان** کی شہادت کا ذکر ہے' وہاں ایک عورت کی شہادت کو بھی ایسا ہی قابل قبول قرار دیا ہے جیسا کہ ایک مرد کی شہادت کو۔ (ملاحظہ ہو (24/6-9)_

اب سوال دوسرا باقی رہ جاتا ہے کہ قرآن نے بالخصوص عورتوں کے متعلق کیوں کہا ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو کچھ اشتباہ لاحق ہو جائے' کچھ گھبراہٹ سی ہو جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔

وہ تو زمانہ نزول قرآن کی بات ہے۔ آپ آج بیسویں صدی میں ہمارے ہاں کی مستورات میں سے کسی کو پہلے پہل عدالت میں لے جا کر گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیجئے جہاں گرد و پیش اجنبی مرد ہوں۔

وہاں دیکھئے کہ اس بیچاری کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس کے پسینے چھوٹ جائیں گے۔ وہ کانپنے لگ جائے گی۔ اس کی گھگھی بندھ جائے۔ اگر اس کے ساتھ اس کو کوئی جان پہچان والی عورت موجود ہو تو اس کا حوصلہ بندھ جائے گا۔ اسے کچھ کہنے کی ہمت ہو جائے گی۔ اس دوسری عورت کا ساتھ ہونا اس کے لئے باعث تقویت ہو گا۔ قرآن کریم نے ان عورتوں کے متعلق کہا ہے کہ

اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ وَ ھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ (43/18)

"یہ' زیورات میں پلی ہوئی جھگڑے کے وقت اپنے مافی ضمیر کو بھی واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔"

اس قسم کی ہیں وہ عورتیں جن کے متعلق کہا ہے کہ انہیں عدالت میں جانا پڑے تو ان کے ساتھ (ان کی جان پہچان والی) ایک عورت کھڑی کر دو تاکہ اس کا حوصلہ بندھ جائے۔

ان تصریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ایک عورت کی شہادت کے بعد دوسری عورت کی شہادت لی جائے' اور اس طرح دو شہادات ایک مرد کی شہادت کے برابر ہو جائیں۔ اس نے کہا یہ ہے کہ اگر گواہی دینے والی عورت کہیں (CONFUSED) ہو جائے تو اس کے ساتھ کھڑی سہیلی اسے یاد دلا دے کہ صحیح بات کیا تھی۔ (وہ عدالت سے کچھ نہیں کہے گی۔ گواہی دینے والی اپنی بہن کو صحیح یاد دلا دے گی) اس سے ظاہر ہے کہ اگر گواہی دینے والی عورت کو کوئی گھبراہٹ نہ ہو۔ وہ کہیں غلطی نہ کرے' تو ساتھ والی عورت کو مداخلت کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ لڑکیوں کی پرورش "زیورات" میں نہ کی جائے جس سے وہ معاملات زندگی میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ بن سکیں اور یوں غیر مبین (گونگی) بن کر رہ جائیں۔ بلکہ انہیں زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جائے۔ اس صورت میں غیر مبین نہیں رہیں گی اور دوسری عورت کی مداخلت کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ ہے حقیقت ان اعتراضات کی جن کی رو سے عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل - ناقابل اعتماد اور مردوں سے پست درجہ پر قرار دیا جاتا ہے۔

عورتوں کے حقوق ملکیت

پہلے کہا جا چکا ہے کہ تقسیم کار کی رو سے' بیوی بچوں کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری مرد کے سر پر ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت نہ کمائی کر سکتی ہے' اور نہ ہی اسے حقوق ملکیت حاصل ہوتے ہیں۔ وہ کمائی بھی کر سکتی ہے اور اسے ذاتی حقوق ملکیت بھی حاصل ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں ہے:۔

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (4/32)

"ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں' اس غلط تصور کا ازالہ بھی ضروری ہے جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ حقوق ملکیت مرد کو حاصل ہوتے ہیں' عورت کو نہیں ہوتے۔ عورت اپنے مال اور جائیداد کی آپ مالک ہوتی ہے (4/7)۔ اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ کمائی کرنا مردوں کا کام ہے' عورتیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ مرد اور عورتیں' سب اکتساب رزق کر سکتے ہیں۔ جو کچھ مرد کمائے وہ اس کا حصہ ہے۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حصہ۔ (یہ الگ بات ہے کہ گھر کی زندگی میں میاں بیوی باہمی تعاون سے کام لیتے ہیں۔) یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک فطری فرائض کا تعلق ہے' بعض باتوں میں مردوں کو برتری حاصل ہے اور بعض میں عورتوں کو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اپنے آپ کو اپاہج بنا کر' مردوں کی کمائی کو تکتی رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ انہیں چاہئے کہ خدا سے زیادہ سے زیادہ اکتساب کی توفیق طلب کرتی رہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہیں۔"

اس سے ظاہر ہے کہ عورت کو جو کچھ ترکہ میں ملے' وہ اس کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی کمائی کی بھی آپ مالک ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ گھر کا ماحول خوشگوار اور ازدواجی زندگی کامیاب ہو' تو میاں بیوی کے تعلقات "کاروباری" نہیں رہتے۔ باہمی رفاقت اور تعاون کے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ملکیت کی قانونی حیثیت وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ غور کیجئے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا ہے جس میں قرآن نے عورتوں کو مردوں سے (یا بیوی کو مرد سے) پست درجہ پر رکھا ہو ! ہمارے ہاں عورت کے متعلق جو خیالات رائج ہیں (اور جنہیں بدقسمتی سے قوانین شریعت کہہ کر پکارا جاتا ہے) وہ یہودیوں - عیسائیوں اور ہندوؤں سے مستعار لئے گئے ہیں۔ قرآن کا دامن ان سے پاک اور صاف ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کی مذہبی پیشوائیت کا' عورت سے ضد' نفرت' تعصب کا یہ عالم ہے کہ زندگی میں تو ایک طرف' اس بے چاری کی موت کے بعد بھی یہ نفرت قائم رہتی ہے۔ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت کو قتل کر دیا جائے تو اس کا خون بہا مرد کے خون بہا سے نصف ہو گا۔ عورت کی جان کی قیمت بھی مرد کی جان کی قیمت سے نصف ہے۔ جن کے تعصب کا یہ عالم ہو' ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ عورت اور مرد کو ہم دوش تسلیم کر لیں گے' عبث ہے۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ مملکت کا قانون' قرآنی ہو۔

گاہے گاہے باز خواں

بچوں کی تربیت و تعلیم

(محترمہ سکندرہ)

تاریخ انسانی کے کسی دور کو لیجئے' ہر قوم کی ترقی کا دارومدار' اس کی نئی نسل کے نظریات زندگی اور تعمیری خیالات پر رہا ہے۔ ایک بچہ' صرف اپنے ماں باپ کا نہیں' بلکہ پوری قوم کا سرمایہ ہے ___ قیمتی سرمایہ ___ ایسا سرمایہ کہ اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے' اور اسے اس قابل نہ بنایا جائے کہ وہ اپنی قوم کا اچھا فرد بنے' اس کے وقار کو قائم رکھے اور اس کی ترقی و خوشحالی میں اضافہ کرے' تو آہستہ آہستہ وہ قوم اپنی خداداد صلاحیتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ قیمتی سرمایہ میں کمی' قوم کو جو نقصان پہنچاتی ہے وہ صدیوں میں جا کر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اور ذمہ داری اس کی' والدین اور استاد دونوں پر عائد ہوتی ہے۔

تمام بچے قوانین فطرت کے تحت اس دنیا میں آتے ہیں۔ کوئی ماں یہ نہیں جان سکتی کہ ہر آن رحم مادر میں کس طرح ان کی پرورش ہوتی ہے۔ اور نہ کسی ماں کو' ان کی اس وقت کی پرورش میں کوئی دخل ہوتا ہے۔ ماں کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں' ظاہری طور پر اس وقت شروع ہوتی ہیں۔ جب بچہ اس دنیا میں آ جاتا ہے۔ ویسے تو اب سائنسی ترقی کا دور ہے اور ہمارے سائنسدان یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش سے قبل بھی ماں کی ذہنی کیفیات کا اثر بچے پر پڑتا ہے۔ اور ماں کے اس زمانہ کے عادات و خصائل بھی اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

بچے کی پرورش اور تربیت دو مختلف چیزیں ہیں۔ پرورش جسمانی بھی اسی قدر لازمی ہے' جس قدر کہ تربیت ذہنی - تندرست و توانا بچے' نہ صرف ماں باپ کے لئے باعث رحمت ہیں' بلکہ پوری قوم کے لئے سامان نعمت ہیں۔ ایک محاورہ ہے' کہ "ایک تندرست جسم میں ہی ایک تندرست دماغ تربیت پاتا ہے۔" چھوٹے بچوں کی جسمانی پرورش کے لئے بھی ہر ماں کو اصول و قواعد جاننے لازمی ہیں اور ساتھ ہی ان کی ذہنی نشوونما کے طریقوں سے بھی واقفیت ہونی چاہئے۔

(1) بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تمام والدین کو یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے اور اس حقیقت کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ بچے قدرت کا بہترین عطیہ' قوم کا قیمتی سرمایہ' اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی

مقدس امانت ہیں۔ والدین کی حیثیت صرف ایک امین اور خدمتگذار کی ہے۔ ہر ماں اور ہر باپ کو بارگاہ الٰہی میں جواب دہی کرنی پڑے گی کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی انہوں نے اس کی حفاظت اور تربیت روحانی و جسمانی کے لئے کیا کچھ کیا؟

(2) ہر بچہ' قدرت کی طرف سے خوابیدہ صلاحیتیں لئے ہوئے اس جہاں میں آتا ہے۔ اور جب تک ان صلاحیتوں کی صحیح نشوونما نہ ہو' اس کی شخصیت نامکمل رہتی ہے۔ والدین کے پیش نظر دوسرا نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی ذہنی سطح کے مطابق پوری پوری کوشش کریں کہ ان کا بچہ' وہ کچھ بن جائے' جس کے بننے کی صلاحیت قدرت نے اسے عطا کی ہے انہیں بچہ پر اس کے رجحانات کے خلاف زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ مشفق' ناصح اور ہمدرد و رہبر ہونا چاہئے۔ جابر نگران اور سخت گیر مختار کل بن کر وہ اپنی راہ میں مزید دشواریاں خود پیدا کر لیتے ہیں۔

(3) ہر بچہ کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے اور اپنا جدا معیار اور پیمانہ۔ اس کا لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے۔ اپنی ذاتی پسند' اپنے معیار' اپنے پیمانوں سے بچوں پر تسلط قائم کرنا نادانی ہے۔

(4) ہر بچے میں عزت نفس کا جذبہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ جس طرح ہمیں اپنی بے عزتی کا رنج اور افسوس ہوتا ہے' اسی طرح بچہ بھی یہ جذبات رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس کا پیمانہ' اس کی عمر اور ذہنی سطح کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہم سے بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات زیادہ حساس بچوں کی پوری زندگی ان کے بچپن کے حادثات اور واقعات کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

(5) بچوں کی مثال نازک نگینوں اور صدف کے اندر پوشیدہ موتیوں کی طرح ہے۔ جوہری اپنی پوری کاریگری سے نگینے جڑتا اور موتی صاف کرتا ہے۔ اس نازک کام کو وہ کسی دوسرے نااہل کے سپرد نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر نگینہ یا موتی کو نقصان پہنچا تو وہ اپنی قیمت کھودیں گے۔ پس اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر ہم بچے کی صحیح تعلیم و تربیت نہیں کرتے' اس میں کوئی خامی رہ جاتی ہے تو اپنے قیمتی سرمایہ کو ضائع کرنے کی ذمہ داری ہم ہی پر آتی ہے۔

بچوں سے محبت' ماں کا پہلا فرض ہے۔ لیکن ایک حد کے اندر۔ پانی اور آگ' بجلی اور ہوا' تمام کائناتی قوتوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح ایک مخصوص و معین حد کے اندر' ایک خاص طریقے اور ضابطے کے ساتھ یہ قوتیں ہمارے لئے رحمت و برکت کا باعث بنتی ہیں۔ اور کس طرح اگر حد اور ضابطہ کو توڑ دیا جائے تو یہ ہماری تباہی کا باعث بن جاتی ہیں۔ درمیان کی راہ ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ بیجا لاڈ اور پیار بھی بچہ کو تباہ کر دیتا ہے اور بیجا سختی بھی۔ ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ' روک ٹوک بھی اس کی

شخصیت کو ابھرنے نہیں دیتی۔

(6) بچوں کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور ان کی شخصیت کا احترام لازمی۔ اپنی سچی محبت اور خدمت سے ہم ایک بچہ کی نشوونما میں جو امداد کرتے ہیں وہ سخت گیری اور طعن و تشنیع سے نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے غصے کو قابو میں رکھنا چاہئے۔ اپنی غلطیوں کا ذمہ دار معصوم بچوں کو ٹھہرا کر ان پر غصہ اتارنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہئے۔

(7) ایک مثال ہے کہ "بچہ ماں کے پیٹ سے سیکھا سکھایا پیدا نہیں ہوگا۔" ہر بچہ کو سکھایا جاتا ہے۔ انسانی بچہ' اپنا نیک و بد اور نفع و نقصان کچھ نہیں جانتا۔ اس کو ہر قدم پر رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے سب سے پہلے رہبر خود اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ اور پھر درجہ بدرجہ دیگر اہل خانہ - نانا - نانی - دادا - دادی بہن بھائی وغیرہم۔ لہٰذا یہ بھی غلطی ہے کہ بچہ یونہی چھوڑ دیا جائے۔ نیک و بد کا فرق نہ بتایا جائے۔ برائی سے نہ روکا جائے۔ اور اپنے دل کو غلط تسلیاں دے لی جائیں کہ "کیا ہے' بچہ ہے' جوان ہو گا اور عقل آئے گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" یہ طریقہ بھی درست نہیں۔ یاد رکھئے کہ عادت پختہ ہونے کے بعد مشکل سے ہی بدلتی ہے۔ جس بچہ کو بچپن سے ہی جھوٹ بولنے' دھوکا دینے' چوری کرنے اور غیب وغیرہ کی عادات پڑ جائیں۔ وہ کبھی مخلص اور دیانتدار نہیں بن سکتا ہے۔

(8) میں اپنے ذاتی تجربات' بچپن کے واقعات اور خاندانی ماحول و اثرات کی بناء پر جو نتیجہ اخذ کر سکی ہوں وہ یہ ہے کہ بچوں کی تربیت' ماں اور باپ دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ لیکن ماں کا زیادہ - تقسیم کار کی بناء پر گھر سے باہر کی ذمہ داریوں اور معاشی ضروریات کی فراہمی کا بار مرد کے کاندھوں پر زیادہ ہے۔ عورت گھریلو معاملات کی مالکہ اور ذمہ دار ہے' اس لئے بچوں کی تربیت کا اصل بار اور ان کے مناسب آرام و آسائش اور تعلیم و تربیت ہر بات کی ذمہ داریاں ماں پر ہوتی ہیں۔ باپ کا جا و بیجاء دخل' انتظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ اسے صرف ایک مخلص مشیر کا فرض ادا کرنا چاہئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت پوری طرح ماں کے ذمہ ہو۔ البتہ لڑکوں کے لئے بلوغ کے وقت باپ کی رائے اور مشورہ کو زیادہ اہمیت ہو' اوراس وقت ماں صرف ایک مخلص مشیر ہو۔

(9) ہر بچے کو گھر میں اس کا جائز مقام حاصل ہونا چاہئے۔ بڑے اور چھوٹے کا لحاظ قائم رکھتے ہوئے۔ ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں۔ ہر بچہ' اپنی جگہ پر واجب التکریم ہے۔ کسی ایک کو دوسرے سے زیادہ رعایت نہ دی جائے۔ کھانے پینے اور لباس و دیگر ضروریات زندگی کے لئے کسی کو دوسرے پر

ترجیح نہ ہو۔ ہر ایک کی غلطی کا بار اسی پر ہو۔ ایک کی غلطی کی سزا دوسرے کو نہ دی جائے۔ نہ یہ ہو کہ ایک کو تو اسی غلطی پر سزا دی جائے اور دوسرے کو کچھ نہ کہا جائے۔

(10) بچے کو غلطی سے آگاہ کرنا لازمی ہے اور نیک راہ بتانا بھی ضروری۔ لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کی عزت نفس کو دھکا نہ لگے۔ نرمی' محبت اور رواداری یہ وصف اپنی حد کے اندر توازن قائم رکھے ہوئے ہوں۔ غلطیوں کو بھی محبت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور نرمی سے غلطی کے نتائج سے آگاہ کر کے آئندہ کے لئے احتیاط کا سبق دیا جائے۔ اگر اثر نہ ہو تو گھبرا کر غصے ہونا بیکار ہے۔ اور لعن و طعن اس سے بھی زیادہ مضمر۔

بچہ والدین کے ساتھ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن صرف ایک عمر تک۔ اور پھر نفسیاتی طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کے شخصیت کا احترام نہ کیا جائے اور اسے سچی محبت اور رہنمائی گھر سے نہ ملے' تو وہ غیر شعوری طور پر ماں باپ یا دیگر اہل خانہ سے متنفر اور دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتی کہ وہ مقام آ جاتا ہے جہاں اسے کسی کی پرواہ نہیں رہتی۔ بلکہ وہ والدین کو دکھ پہنچا کر خوش ہوتا ہے۔

بار بار اور مختلف طریقوں سے صحیح بات کو دہراتے رہنے سے' اور پسندیدہ اخلاق و بلند اقدار کی مثالوں سے بچے پر خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔ اگر شروع ہی سے بچے کے دل میں ماں کی محبت و احترام قائم ہو جائے تو وہ از خود بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(11) ہر بچے کی طبیعت جدا ہوتی ہے' کوئی اپنی غلطی جلد تسلیم کر لیتا ہے اور اس پر پشیمان ہوتا ہے' کوئی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتا اور اپنے نظریہ کو ہر حال میں درست سمجھتا ہے۔ وہ صحیح مشورہ کو بھی اپنے پر زیادتی خیال کرتا ہے۔ یہاں بھی صبر و ضبط سے کام لینا چاہئے اور بچہ کو موقعہ دینا چاہئے کہ وہ از خود غور کرے۔ اور اپنی غلطی کو سوچ سمجھ کر تسلیم کرے اور پھر آپ کی طرف رجوع ہو۔ زبردستی معافی منگوانا بالکل بیکار ہوتا ہے۔

(12) بچوں کے آپس کے جھگڑے نوے فیصدی از خود حل ہو جاتے ہیں۔ ان میں بے جا دخل دینا آپس میں زیادہ فساد کا باعث بنتا ہے۔ دور اندیشی یہی ہے کہ اپنے کھیل کود کے فیصلے ان کو خود کرنے دیئے جائیں۔ اگر وہ از خود رجوع کریں تو معاملہ' دونوں فریق سے صبر و ضبط کے ساتھ سن کر' فیصلہ عدل کے ساتھ کیا جائے۔ جس کی زیادتی ہو' اس کو نرمی اور محبت سے سمجھانا چاہئے۔ اگر زیادتی کرنے والا اپنی زیادتی پر قائم رہے تو پھر دوسروں کو یہ تاکید کرنی چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ تعاون نہ کریں۔ کچھ عرصہ کے لئے کھیل و تفریح میں اسے شریک نہ کریں اور اسے اتنا وقت مل جائے کہ وہ اپنے

لئے خود سوچے اور اپنی زیادتی کو محسوس کر کے خود دست محبت بڑھائے۔ ایسی صلح ہمیشہ پائیدار ہوتی ہے۔

(13) بچوں میں خود اعتمادی - قوت فیصلہ اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنا اور انہیں بیدار رکھنا۔ ان کی شخصیت کی نشوونما کے لئے لازمی ہے۔ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں اپنا فیصلہ منوانا ان کی شخصیت کو ابھرنے اور سنورنے نہیں دے گا۔ مثال کے طور پر کھانے پینے کے معاملہ میں بہت زیادہ اصرار یا لباس کی وضع قطع اور رنگ کے معاملہ میں اپنی پسند اور فیصلہ زبردستی ان پر عائد کرنا ان کی قوت فیصلہ کو کمزور کرنا ہے۔ مناسب غذا اور سادہ لباس کی طرف رہنمائی بہتر ہے۔ اپنے حالات کے مطابق بعض امور میں خاندانی روایات کی پابندی غیروں کی نقالی سے بہتر ہے۔ "کوا چلا ہنس کی چال' اپنی بھی بھول گیا۔"

(14) بچوں کے سامنے اپنی مثال ہر وقت دینا کہ ہم ایسے تھے اور ایسا کرتے تھے' کوئی قابل تعریف بات نہیں۔ ہم کیا ہیں' بچوں کو یہی نظر آ سکتا ہے۔ اس لئے پہلے اپنے کردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا کرنی لازمی ہے۔ ہر وہ خوبی جو ہم اپنے بچے میں دیکھنا چاہتے ہیں' پہلے ہم میں نمایاں ہونی چاہئے۔ اگر ہم اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکتے۔ اگر ہم غلطیوں سے درگذر نہیں کر سکتے۔ اگر ہم غلط بیانیاں کرتے ہیں۔ دوسروں پر اعتراضات اور طعن و تشنیع ہمارا شیوہ ہے تو ہماری گود میں پلے ہوئے بچے کس طرح اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک بن سکتے ہیں؟ محبت و صداقت' خدمت و محنت' ضبط و تحمل' صبر و استقلال' شجاعت اور سخاوت کا جو سبق' ہم ان کو گود میں دیں گے' وہ کبھی رائگاں نہیں جا سکتا۔ محبت اور خدمت صرف ماں باپ اور بھائی بہنوں کی نہیں' بلکہ پوری انسانیت کی۔ درجہ بدرجہ' جوں جوں عقل و فکر کی سطح بلند ہوتی جائے' یہ ذہن نشین کراتے رہنا چاہئے کہ ہر فرد انسانی دوسرے افراد کی محنت اور محبت کا مرہون منت ہے۔ اور اپنے اپنے مقام پر' ہر ایک کو دوسرے کی خدمت اور آرام کے لئے اپنا حصہ پورا پورا ادا کرنا چاہئے۔

(15) بیٹا اور بیٹی' دونوں نعمت خداوندی ہیں۔ دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ اس لئے تربیت کے معاملہ میں بھی دونوں کو یکساں طور پر سمجھنا چاہئے۔ لڑکوں کو ہر معاملہ میں رعایت دینا اور لڑکیوں پر سخت پابندی رکھنا حق و عدل کے منافی ہے' اور بعض اوقات اس کے نتائج دونوں کے حق میں مضر ثابت ہوتے ہیں۔

لڑکوں کو باہر کے کام سے دلچسپی زیادہ ہوتی ہے' اس لئے عمر کے مطابق' روزمرہ کے کاموں میں ان

سے مدد لینا' ایک طرف ان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے' کام کا طریقہ سکھاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کی خدمت' مدد اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

لڑکیوں کو گھر کے اندر کام کاج میں ضرور دلچسپی دلانا چاہئے۔ عورت کا اولین مقام بہرصورت گھر ہی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے' اس کے خلاف جنگ کرنا' نادانی ہے۔ تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ دونوں کے لئے لیکن لڑکیوں کے لئے تعلیم کے علاوہ امور خانہ داری میں مہارت بھی لازمی ہے۔ جس طرح لڑکے باہر کے کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور اس سے ان میں خود اعتمادی و خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح لڑکیاں بھی گھر کے کام کاج سے سلیقہ' صفائی اور کفایت شعاری سیکھتی ہیں اور اپنی آئندہ ذمہ داریوں کا احساس ان میں پیدا ہوتا ہے۔

لڑکوں کی تفریحات میں قدرے آزادی بھی ضروری ہے' لیکن عمر کے لحاظ سے۔ وہ ہر وقت گھر میں ہی کھیل کر خوش نہیں رہ سکتے۔ اگر گھر اتنا بڑا ہو کہ ان کے کھیل کے لئے موزوں مقام مخصوص ہو سکے تو اس حالت میں انہیں اپنے ساتھیوں کو گھر پر بلانے کی اجازت ہونی چاہئے' اور ساتھ ہی غل اور شور کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ان کو باہر کھیل کے لئے بھی نہ جانے دیا جائے اور شور و غل پر غصے ہو کر ڈانٹا جائے۔ بچے اپنے ساتھیوں کے سامنے اسے اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔ ان کی عزت نفس کو دھکا لگتا ہے' اور اس کا اثر والدین کے خلاف ان کے جذبات میں ابھرتا ہے۔

لڑکیوں کے لئے بھی تفریح اور ورزش وغیرہ اسی قدر ضروری ہے۔ لیکن تفریح کا انتظام اگر گھر پر ہی ہو سکے تو بہتر ہے۔ ناسمجھ لڑکیوں کو تنہا کلبوں اور پارکوں میں کھیل کود کے لئے بھیج دینا ان کی آئندہ زندگی کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں کچھ فرق کرنا لازمی ہے۔

حفاظت عفت و عصمت مستقل قدر ہے' اور دونوں کے لئے یکساں طور پر لازمی۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ نے دونوں کے لئے مختلف پیمانے بنا رکھے ہیں۔ اس لئے جب تک ہم اپنے معاشرہ کو نہ بدلیں اور صحیح اقدار کو نہ قائم کریں۔ اس وقت تک یہ ہمارا مقدس فرض ہے کہ جو امانت بیٹی کی صورت میں ہمیں سونپی گئی ہے اس کی حفاظت میں کسی ادنی سی غلطی کا ارتکاب بھی نہ ہونے دیں۔ ہمارے موجودہ معاشرہ میں' بدطینت عناصر کی زیادتی ہمارے فرائض کو اور بھی شدید بنا دیتی ہے۔ یہ حفاظتی تدابیر' لڑکیوں کے لئے بیجا سختی نہیں ہے۔ بلکہ عین محبت و رحمت ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی ہوئی لڑکیاں اپنی عصمت کی حفاظت خود کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ قرآن' عفت قلب و نگاہ پر زور دیتا ہے اور یہی خصوصیات حوران جنت کی بتاتا ہے۔ قوم کی تقدیر عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اس لئے عورت کو پیکر

عفت و عصمت ہونا چاہئے۔ پاکباز اور عقل و فہم کی مالک۔ ہماری بچیوں کو آج کل ذرا سی بھی پابندی ناگوار ہے۔ لیکن اگر شروع ہی سے ان کی تربیت' نظم و ضبط کے ساتھ کی جائے تو وہ اس پابندی کی حقیقت سے آشنا ہو کر کبھی بھی اس کے خلاف نہ ہوں گی۔

بچوں کی تربیت عمر کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ بڑا ہی دشوار گذار ہے۔ آزادی کی لہر ہر فرد میں ہے۔ والدین کی مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں ہمارے بچے ذہنی طور پر اس سطح سے بلند ہیں' جو ہماری تھی۔ زمانہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے' اگر ہم نے اسی برق رفتاری سے زمانہ کا ساتھ نہ دیا تو ہم کچلے جائیں گے۔ ہمیں اپنے بچوں کی ذہنی ترقی اور نشوونما میں ان کی نگرانی' رہنمائی اور مدد ہر حال میں کرنی ہے۔ ان کے مسائل کا حل بھی ہم ہی انہیں بتا سکتے ہیں۔ یاد رکھئے ! ہمارا فرض صرف جسمانی پرورش کے ساتھ ختم نہیں ہوتا۔ ذہنی ارتقاء پاکیزہ سیرت اور بلند اقدار کی حامل قوم ہی صرف عبد مومن کا مقام حاصل کر سکتی ہے اور وہی خلافت ارض کے قابل بنتی ہے۔ ہمارے لئے ضابطہ حیات قرآن کریم ہے اور مبارک ہیں وہ مائیں جو قرآن کریم کی صداقت اور عظمت کو اپنے بچوں کے قلوب میں جاگزیں کر دیں اور ان کے بچے علی وجہ البصیرت پکار اٹھیں کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور پھر ان کے یقین محکم اور عمل پیہم سے صحن عالم جگمگا اٹھے اور یہ فرمان باری تعالیٰ پورا ہو جائے کہ

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر ہوتا ہے

شہر	مقام	دن	وقت
1- ایبٹ آباد	595 کے۔ ایل کیہل۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
2- بورے والا	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر5- رابطہ فون:2438	پہلا اور تیسرا جمعہ	9 بجے صبح
3- پشاور	دفتر جناب عبداللہ جانی صاحب ایڈووکیٹ۔ کابلی بازار۔ رابطہ: 270737	ہر بدھ و جمعہ	5 بجے شام
4- پشاور	برمکان ابن امین فقیر آباد	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
5- پیر محل	مکان نمبر140/139- مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	9 بجے صبح
6- پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے سہ پہر
7- جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجلد آباد' جی۔ ٹی روڈ	جمعۃ المبارک	6 بجے شام
8- جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	جمعرات	10 بجے صبح
9- چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بھٹہ بازار	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
10- چک 215 ای۔ بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
11- حیدر آباد	گولڈن سینٹری' عثمان آباد	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
12- حیدر آباد	B-12 قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
13- ڈی۔ جی خان	مدینہ ٹائپنگ کالج' بلاک 2- کچہری روڈ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
14- رجانہ	برمکان چوہدری الیس۔ ایم صادق' مین بازار	ہر ماہ تیسرا جمعہ	10 بجے صبح
15- راولپنڈی	بمقام E-4385/47 اپر سٹوری ہائی وے آٹوز نزد پل لئی گوالمنڈی راولپنڈی فون: 74752	جمعۃ المبارک	4-30 بجے شام
16- سرگودھا	60- اے سول لائنز' ریلوے روڈ۔ رابطہ فون: 720083	جمعۃ المبارک	9 بجے صبح
17- سیالکوٹ	محمد افضل خٹی' ایبٹ روڈ۔ رابطہ فون: 87658	پہلا اور دوسرا جمعہ	10 بجے صبح

شہر	مقام	دن	وقت
18- فیصل آباد	23- سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل) رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون۔ 42855	ہر جمعۃ المبارک	3-30 بجے شام
19- کراچی	چمن زاہد 19-بی بلاک 13- ڈی گلشن اقبال مقابل اردو سائنس کالج رابطہ خلد گل فون: 539798	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
20- کراچی	مکان 16 گلشن مارکیٹ' 36/C ایریا کورنگی 5 رابطہ: محمد سرور' فون: 312631	جمعۃ المبارک	11-30 بجے صبح
21- کراچی	مکان E-282 قصہ کالونی نزد لودھی ہاؤس رابطہ: ڈاکٹر اسلم نوید۔ فون: 6660578	جمعۃ المبارک	4 بجے سہ پہر
22- کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ ایاز حسین انصاری رابطہ فون: 4571919	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
23- کراچی	مکان 1206- گلی 10- اے' بی 36' شریف کالونی۔ لانڈھی رابطہ: لطیف صدیقی' فون: 310716	اتوار	8 بجے شب
24- کوہاٹ	برمکان شیر محمد' نزد جناح لائبریری	جمعۃ المبارک	8 بجے صبح
25- گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ' سہل لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ
26- گجرات	مرزا ہسپتال' کچہری روڈ	جمعرات	3 بجے
27- لاہور	25- بی گلبرگ II (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح
28- لیہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	جمعۃ المبارک	بعد نماز مغرب
29- ملتان	شاہ سنز پیون پاک گیٹ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
30- ماموں کانجن	برمکان ڈاکٹر (ہومیو) محمد اقبال عامر چک 509 گ ب	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
31- لوکاڑہ	برمکان میاں محمد سعید مکان 116 گلی 6 سیٹھ کالونی نمبر 2 رابطہ فون: 3660	ہر جمعۃ المبارک	9-30 بجے صبح

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی دستیاب ہے۔

تحریک طلوع اسلام سے متعلق استفسارات مندرجہ بالا مقامات پر موجود کارکنان تحریک کے حوالہ کیجئے۔ جواب ادارہ سے براہ راست دیا جائیگا۔

DARS-E-QURAN

(Recorded Lectures of Allama Parwez (r)
BOOKS AND MAGAZINE TOLU-E-ISLAM ARE ALSO
AVAILABLE AT THE FOLLOWING PLACES.

1. **CANADA**
   716 The West Mall,Suit 1804
   Etobicoke, ONT (416) 620-4471
   First Sun 11AM

2. **DENMARK**
   Nattergaleveg 98, St Tv.,
   2400 Copenhagen NV
   Last Sat 2 PM

3. **Kuwait**
   Flat No. 6, Floor No. 3
   Taher Bu Hamad Building Oppsite Al-Othman Mosque,
   Hawally, Kuwait
   Friday 5.PM

4. **NORWAY**
   Akeberg Veien-56, Oslo-6
   Galgeberg, 4th floor
   1st Sun 4PM

5. **UNITED KINGDIM**

   (i) **Birmingham**
   229 Alum Rock Road
   Sunday 3PM

   (ii) **London**
   76 Park Road Ilford Essex
   Phone 081-553-1896
   1st Sun 2:30PM

   (iii) **Yardley**
   633 Church Road, Yardley, Birmingham
   B33 8HA (Phone 021-628-3718)
   Last Sun 2PM

   (iv) **Essex**
   50 Arlington Road, Southend-on-Sea
   ESSEX SS2 4UW, Phone 0702-618819
   2nd Sun 3PM

   (v) **Yorkshire**
   Cardigan Community Centre
   145-49 Cardigan Road LEEDS-6
   Contact M. Afzal Phone 0532-306140
   1st Sun 3PM

ON AIR

Dars-e-Quran on TV-9
Oslo (NORWAY)
Thursday 21:00PM

PAMPHLETS

پمفلٹس

آرٹ پیپر کور (ART PAPER COVER) سے مزین کتابی سائیز میں' درج ذیل پمفلٹس' بحساب 3 روپے فی پمفلٹس (علاوہ ڈاک خرچ) ادارہ ہذا اور بزمہائے طلوع اسلام کے دفاتر سے دستیاب ہیں۔

قارئین نوٹ فرمالیں۔

ENGLISH

1. Genesis and Ideology of Pakistan.
2. Economics in the Social Structure of Islam.
3. Is Islam a Failure?
4. Islamic Ideology.

اردو

1- اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے۔
2- اسلامک آئیڈیالوجی۔
3- کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟
4- رحمتہ للعالمینؐ
5- دنیا نظام محمدیؐ کے لئے بیتاب ہے۔
6- کیا ہم آزاد ہیں۔

ادارہ کا مقصد و مسلک (تازہ ایڈیشن) خریداران کو مفت فراہم کیا جائیگا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تقریب بسلسلۂ جشنِ نُزولِ قرآن اور عید ملن

زیرِ اہتمام بزمِ طلوع اسلام راولپنڈی

بزم طلوع اسلام راولپنڈی نے بروز جمعۃ المبارک' 17 مارچ 1995ء' راولپنڈی کے جناحؒ ہال میں بسلسلۂ جشنِ نزولِ قرآن اور عید ملن ایک خصوصی تقریب کا انعقاد کیا۔اس تقریب کے لئے انہوں نے تقریباً ایک ہزار دعوت نامے جاری کئے تھے اور راولپنڈی میں پوسٹر بھی آویزاں کئے تھے۔

تقریب کے لئے بعد نماز جمعہ 3 بجے سہ پہر کا وقت رکھا گیا تھا۔

مرکز سے جناب محمد عمر دراز' محمد علی بیگ اور احمد حسین قیصرانی کے علاوہ گجرات' جہلم' مری اور کوہاٹ تک کے مندوبین تقریب میں شامل ہوئے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد سے احباب کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی جن میں دانش ور' فوجی اور سرکاری افسروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

بزم کے جواں ہمت نمائندہ چوہدری نثار احمد اپنے دونوں جواں سال فرزندوں اور بزم کے رفقاء کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے، یہ سب آنے والے مندوبین سے گلے ملنے کے بعد ان کے سینوں پر "**بلغ ما انزل الیک من ربک**" کے خوبصورت بیج (BADGE) آویزاں کرتے رہے۔

وقت سے پہلے ہی جناحؒ ہال مکمل طور پر بھر گیا تھا اور اضافی نشستوں کا انتظام ضروری ہو گیا۔

سب سے پہلے تمام مندوبین نے ملحقہ مساجد میں نماز جمعہ ادا کی۔

تقریب کا آغاز تین بجکر 10 منٹ پر تلاوتِ قرآنِ کریم سے ہوا۔ قرآنِ کریم اور مفہوم پیش کرنے کی سعادت بزم کے بلند ہمت رکن چوہدری آفتاب احمد کے حصہ میں آئی۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض محترم محمد سلیم ایڈووکیٹ نے ادا کئے۔ موصوف نے اپنے افتتاحی کلمات میں حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوبصورت انداز میں اس تقریب کے انعقاد کی غرض و غایت کی وضاحت کی۔

تحریکِ طلوع اسلام کا تعارف ایک اور جواں سال رکن محترم محمد انور قریشی صاحب نے دل آویز انداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد پروگرام کے مطابق مُفکرِ قرآن محترم پرویزؒ صاحب کا فکر انگیز خطاب "ہلالِ عید

ہماری ہنستی اڑاتا ہے" بذریعہ وڈیو پیش کیا گیا۔ سٹیج کے دونوں جانب ٹیلی ویژن سیٹ رکھے گئے تھے اور جب یہ خطاب شروع ہوا تو ہال میں ایک باوقار خاموشی چھا گئی۔ حاضرین نے پورے جذب و انہماک سے اس خطاب کو سنا اور بعد ازاں ایسے مزید اجتماعات کی ضرورت اور افادیت پر زور دیا۔

خطاب کے اختتام پر سٹیج سیکرٹری نے محترم محمد عمر دراز سے درخواست کی کہ وہ تقریب کے سلسلہ میں حاضرین سے خطاب کریں۔ جنہوں نے مختصر لیکن جامع اور بلیغ انداز میں قرآنی آیات جلیلہ کی روشنی میں اللہ کے سلسلۂ رُشد و ہدایت اور اس سلسلۂ زرّیں کی آخری کڑی حضورؐ ختمی مرتبت کے ارفع ترین مقام اور آپؐ کے لائے ہوئے ضابطۂ زندگی کی ابدیت پر گفتگو کی جسے سامعین نے محترم پرویزؒ صاحب کے خطاب کے بعد نہایت مفید اور فکر انگیز قرار دیا۔ یہ تقریب تقریباً ساڑھے پانچ بجے اختتام پذیر ہوئی جس کے بعد اراکین بزم نے تمام حاضرین کی سادہ لیکن پر لطف چائے سے تواضع کی۔ تقریب کا یہ حصہ قریب آدھ گھنٹہ جاری رہا اور حاضرین کی باہمی گفتگو' اس ارتعاش اور تحرک پر مرکوز رہی جو اس تقریب کے سبب پیدا ہوا۔

آخر میں اراکین بزم نے حاضرین کو شکریئے اور ذوقِ قرآنی میں برکات کی دعاؤں سے رخصت کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

فکر و عمل کے اعلیٰ خاندان کی دو بیٹیاں ایک ایم اے' ایک لا گریجوئیٹ عمر 23-26 کا رشتہ چاہیئے۔ جہیز اور دنیاوی رسوم سے بالا تر۔ رابطہ یعقوب خان پوسٹ بکس 6003 کوڈ 54810 لاہور

☆☆☆☆☆☆☆

اعتذار

بعض فنی وجوہ کی وجہ سے مارچ کا پرچہ بروقت طبع نہ ہو سکا جس سے قارئین کو زحمتِ انتظار ہوئی۔ ادارہ اسکے لئے معذرت خواہ ہے۔ چیئرمین

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

خواب ان کے!

(1) حضرت امامؒ بن فضلؒ نے کہا کہ میں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت امام محمد بن اسمائیلؒ بخاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر اپنا پاؤں رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کا اتباع کرتے ہیں۔ (اکمال ص 630) صفحہ 33

(2) امام ابو الحسن محمد بن عبداللہ بن بشر فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو میں نے عرض کیا تہتر گروہوں میں سے نجات پانے والا کونسا گروہ ہے؟ (تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی تو ہو اے اہل حدیث۔ (شرف اصحاب الحدیث ص 14) صفحہ 15-14

(3) حضرت امام عبدالواحدؒ بن آدم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت ہے۔ آپ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ یہاں کیسے قیام فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ محمد بن اسمائیل بخاری کا انتظار ہے۔ چند روز گذرنے کے بعد ہم نے بخاریؒ کی وفات کی خبر سن لی معلوم ہوا کہ آپ نے ٹھیک اس وقت وفات پائی جس وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ (اکمال ص 631) مذکورہ کتاب کا صفحہ 34

(4) حضرت امام ابو سہل محمد بن مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو زید مروزی سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا۔ پس میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو زید تم کب تک امام شافعی کی کتاب پڑھاتے رہو گے؟ اور میری کتاب نہ پڑھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی کونسی ہے۔ فرمایا محمد بن اسماعیل کی جامع یعنی صحیح البخاری میری کتاب ہے۔ مذکورہ کتاب کا صفحہ 33

آئمہ کرام کے حوالے سے یہ خواب فرقہ اہل حدیث کی ایک کتاب سے نقل کئے ہیں۔ جسکا نام ہے " ہم اہلحدیث کیوں ہیں" بقول مولف (مولانا عبدالغفور اثری) کتاب کی ترتیب و تالیف میں 87 کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تبصرہ نگاروں کی رائے (جو آخر میں شامل کتاب ہے) یہ ہے۔ کہ اس موضوع کی یہ سب سے جامع کتاب ہے اور مسلک اہل حدیث میں اسے حرف آخر کی حیثیت حاصل ہے۔

In the light of these details it is expected that the Muslim translators of the Holy Quran will correct the translation of the word 'Rabb' and instead adopt Allah in its place. In a few places where the literal translation is necessary the term `A Perfect Nourisher' should be adopted. If the translators are not alive, then it is the duty of publishers to arrange such corrections. Similarly those believers who study English translations of the Holy Quran and infer from it in their writings should also make these corrections and save themselves from committing blasphemy.

Muslim translators of the Holy Quran have used the word `Lord' for Allah at more than a thousand places. The present writer has just completed a simple translation of the Holy Quran by avoiding the biblical language and phrases. I had totally eliminated the blasphamous word 'Lord" from my translation. Only at one place it has been retained where the Pharaoh of Musa claimed this title for him. At most of the places it was appropriate to adopt the proper noun `Allah' for Rabb. Only on a dozen places I had to adopt the words `The Sustainer', `The Nourisher', and `The creator' for this purpose.

PLEASE MAKE SURE

THAT YOU HAVE RENEWED YOUR SUBSCRIPTION FOR THE YEAR 1995.

AND

ALSO THAT YOU HAVE PAID YOUR CONTRIBUTION TOWARDS GIFT FUND, UPON WHICH RESTS FREE SUPPLY OF MAGAZINE TO ABOUT 1000 LIBRARIES IN THE COUNTRY.

most serious sin in Islam. Almighty Allah may forgive all other sins of his servants but he will never forgive polytheism. The Holy Quran has condemned this doctrine of Christianity as blasphemy. It says:-

Most certainly they committed blasphemy, who said Allah is the third of three, whereas there is no god other than one Allah. And if these people do not desist from uttering such words a painful chastisement shall be inflicted on all those from among them who have been guilty of blasphemy. (Surah Al-Maidah -73)

The Arabic word `Rabb' has been used for Almighty Allah in the Holy Quran in almost every second Ayat. In simple English it can be translated as `A Perfect Nourisher' although its more appropriate translation is `Allah' Himself. It may be mentioned here that according to the Holy Quran, the relation in which Almighty Allah stands to all His creation is that of benign Sovereign and not that of a father or the owner of the daily bread. On the other hand the Christians treat God as a Father and the owner of the daily bread. According to this concept they use the word `Lord' for Allah. In the light of this they translated the Arabic word `Rabb' as `Lord'.

As explained in the previous lines, the word `Lord' is used in English language for ordinary human beings and places irrespective of the fact that they are noble or wicked. Unfortunately the Muslim translators also adopted the same translations. Had they cared they could find other appropriate translations for the word `Rabb' such as `A Perfect Nourisher' etc. This translation was needed only on a few places where Allah and Rabb have been used in the same verse. In all other thousands of places it can be translated as Allah. It may be interesting to mention here that the first translations of the Holy Quran did not translate the word `Satan' and adopted this Arabic word in English language although an appropriate translation of it i.e., the `Devil' was available in English. The same could have also been adopted in respect of `Rabb' the most important attribute of Allah, but instead they used the word `Lord' which is very undesirable.

He laid the foundation of the British empire in the Indo Pakistan Sub continent by using all sorts of foul methods. For this service to his nation, he was awarded the title of Lord. Even a cricket ground in England is named Lord's. A man who drinks excessively is also known as Lord in the English society. Adoption of such a title which is used for the wicked and the nobles alike for Almighty Allah is highly objectionable and in the light of the teachings of Islam, it can rightly be equated with blasphemy. The first two English translation of the Holy Quran were produced by two bishops, Rev. J.M. Rodwll and Rev. George Sale. The purpose of these translation was to acquaint the Christian missionaries working in the Muslim countries with the contents of the Holy Quran,. so that they may be able to argue with the Muslim Ulema who may hinder their missionary work. It was natural for them to adopt biblical language and terms as the missionaries were familiar with this system. These translations were not meant for the general public who could only understand the simple language .

Later a number of Muslim Scholars translated the Holy Quran into English. They two adopted the same language and the terminology used by the bishops. Perhaps they were unaware of the basic differences in the concepts of Islam and Christianity. As a result, they confined themselves to repeat the bishop's translations with some additions and alterations.

The religious concepts of Islam and Christianity about the various issues of faith are totally different. Tauhid (unity of Allah) is the basic doctrine of Islam while the Christians believe in the Trinity, according to which God is considered to exist in three persons, Father (Godhead), Son (Prophet Isa) and the Holy Ghost. In the light of this doctrine they accord the status of God to all these three persons and believe that they can exercise the powers of Allah. As a result they use the title of Lord for Prophet Isa as well as for Almighty Allah. According to Islam such a doctrine is considered polytheism, the

OBJECTIONABLE USE OF THE WORD 'LORD' FOR ALLAH

BY

PROF: RAFI ULLAH SHEHAB

****

In Arabic language the word Allah is a proper noun which is applied to Almighty Allah only. Even the Arabs in the Jahilliah period never gave the name Allah to any of their numerous idols. It has no equivalent in any other language. The Arabs consider Him the Being who exists necessarily by Himself comprising all the attributes of perfection. But in English language Allah has been equated with Lord which is used for ordinary human beings, It is commonly used for various types of human beings and places . Actually the concept of Allah in the Christian religion is totally different than the Islamic one. The Holy Quran as will be shown in the following lines has equated it with blasphemy. But it is unfortunate that even the Muslim translators of the Holy Quran have used the word `Lord' for Almighty Allah.

The word Lord literally means a master, a ruler, a chief, a prince, a sovereign, owner of a few acres of land and a magnate in some trade. It is also used for God and Prophet Christ. It is used as the first word for many officials such as Chief Justice, High Commissioner, Viceroy, Chief executive authority and head of magistracy. It is a title of honor bestowed by the British Govt on nobles and wicked people alike. For example it was bestowed on Mr. Clive who was a clerk of East India company and a wicked person.

The Friday noon congregational prayer is an obligatory duty upon every Muslim; man and woman (62:9). Failure to observe the Friday Prayer is a gross offense.

Each prayer is valid if observed anytime during the period it becomes due. Once missed, a given prayer is a missed opportunity that cannot be made up; one can only repent and ask forgiveness. The five prayers consist of 2, 4, 4, 3, and 4 units *(Obligatory Rakáhs)*, respectively.

ooooooOOOOOOOOOOOOOOOOOooooo

WHO IS THE BEST IN THE SIGHT OF ALLAH?

49:13 O people, We created you from the same male and female, and rendered you distinct peoples and tribes, that you may recognize one another. The best among you in the sight of Allah is the most **righteous**. Allah is Omniscient, Cognizant.

WHO ARE THE RIGHTEOUS ?

2:177 Righteousness is not turning your faces towards the East or the West. Righteous are those who believe in Allah, the Last Day, the Angles, the Scripture, and the prophets; and they give the money, cheerfully, to the relatives, the orphans, the needy, the traveling alien, those who ask for and to free the slaves; and they observe the Prayers and give obligatory Poor-rate(Zakat); and they keep their word whenever they make a promise; and they steadfastly persevere in the face of persecution, hardship, and war. These are the truthful; these are the **righteous**.

SALAT

(A GIFT FROM ALLAH)

When Abraham implored Allah in 14:40, he did not ask for wealth or health, the gift he implored for was ; "Please Allah, make me one who observes the prayers.' The duties instituted by Allah are in fact a great gift from Him. They constitute the nourishment required for the growth and development of our Souls. Belief in Allah does not by itself guarantee our redemption; we must also nourish our souls (6:158,10:90-92). Additionally, 15:99 states that observing the duties instituted by Allah is our means of attaining certainty: `Obey your Rabb in order to attain certainty.'

The five daily prayers are the main meals for the soul. While a soul may attain some growth and development by leading a righteous life, and without observing prayers, this would be like surviving on snacks without regular meals.

1. The Dawn Prayer must be observed during two hours before sunrise (11:114, 24:58)

2. The noon Prayer is due when the sun declines from its highest point at noon (17:78)

3. The Afternoon Prayer can be observed during the 3-4 hours preceding sunset (2:238)

4. The Sunset Prayer becomes due after sunset (11:114).

5. The Night Prayer can be observed after the twilight disappears from the sky (24:58)